تاریخ زبان اردو

[redacted]



[redacted]

ڈاکٹر شمس اللہ قادری

نام کتاب .... تاریخ زبان اردو
نام مصنف .... ڈاکٹر شمس اللہ قادری
قیمت ۷-۵۰
ملنے کا پتہ .... کتابستان ۔ حیدرآباد دکن

[redacted]

انتساب

جناب فضیلت مآب

مولانا ڈاکٹر عبدالحق صاحب بی۔ اے

سکریٹری انجمن ترقی اردو کی خدمت میں

کنوں این کتاب تشکر شعار
ترا باشد از من یکے یادگار

خاکسار
ڈاکٹر شمس اللہ قادری

۱۹۲۵ء

فہرست مضامین

نثر اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

شعرائے اردو کی تذکرہ نویسی بارھویں صدی ہجری کے آخری ایام سے شروع ہوئی اور اس وقت سے بیس پچیس سال پیشتر تک ستر اسی تذکرے لکھے گئے ہیں۔ لیکن ان سب کی ابتدا اس عہد سے ہوئی ہے کہ ہندوستان کے دارالسلطنت (دہلی) میں ریختہ گوئی کا آغاز ہوا، اور اس سے پہلے جو شعراء سرزمین دکن میں گذرے ہیں ان کے حالات نظر انداز کر دیئے ہیں، اس فروگذاشت کا یہ نتیجہ ہوا کہ قدیم شعراء کے حالات ناپید ہو گئے اور تاریخ اردو کا دور قدیم پردۂ خفا میں مستور ہو گیا۔

آج سے کم و بیش بیس سال پہلے جب اردو اور ہندی کی بحث چھڑی تو اس کے ضمن میں اردو کی قدامت اور عمومیت بھی معرض بحث میں آگئی، حامیان اردو نے ان مباحث پر جو مضامین شائع کئے ان میں دور قدیم بالکل مفقود نظر آیا اس کمی کو محسوس کر کے ہم نے ۱۹۱۰ء میں ایک مضمون "قدیم شعرائے اردو" کے عنوان سے لکھا اور اس میں ان اردو شعراء کے حالات اور ان کی زبان کے نمونے درج کئے جو دہلی میں ریختہ شاعری کے رواج پانے سے پہلے سرزمین دکن میں گذرے تھے[1]

یہ مضمون اگرچہ مختصر اور نامکمل تھا، مگر پھر بھی علمی حلقہ میں پسندیدہ نگاہوں

---

[1] یہ مضمون ۱۹۱۰ء میں لسان العصر لکھنؤ کے چار نمبروں میں شائع ہوا ہے اس میں عادل شاہی قطب شاہی اور مغلیہ عہد کے دس شعرا کا تذکرہ ہے۔

سے دیکھا گیا اور مولانا حالی اور علامہ شبلی جیسے مشاہیر علما، نے اسے اپنی نوعیت کا پہلا مضمون قرار دیا۔ ان حوصلہ افزائیوں سے ہماری ہمت بڑھ گئی اور ہم نے اس مضمون کو مکمل کرنے کا تہیہ کر لیا، اور ایک عرصہ کی کوشش کے بعد اس کا ذخیرہ بھی فراہم ہو گیا لیکن بعض دوسرے امور اور اتفاقی موانعات کے باعث اس کی ترتیب و تدوین نہ ہو سکی اور اسی طرح ایک مدت گذر گئی یہاں تک کہ ۱۹۲۴ء ختم ہونے کے قریب ہو گیا۔ دسمبر میں ہمارے دوست مدیر تاج نے اس کے مکمل کرنے کی فرمائش کی۔ اسی اثنا میں دارالمصنفین کی جانب سے مولانا عبدالحی مرحوم کا تذکرہ "گل رعنا" شائع ہوا۔ اس میں ایک مستقل باب شعرائے دکن کا نظر آیا، لیکن اسے ہم نے ناقص اور نامکمل پایا جس کے باعث اس مضمون کو مکمل کرنے کی مزید تحریک ہوئی۔ جو کچھ ذخیرہ جمع تھا اسے مرتب و مدون کرنا شروع کیا۔ دو مہینے کی قلیل مدت میں ایک مستقل کتاب تیار ہو گئی جسے ۱۹۲۵ء کے اوائل میں مدیر تاج نے متحدہ نمبر کے ذریعہ چھاپ کر شائع کیا۔

اس اشاعت میں اگرچہ سابقہ اشاعت سے چوگنے معلومات زیادہ تھے تاہم اس میں اضافہ کی بہت گنجائش باقی تھی، کیونکہ بعض شعرا، اور نثر نگاروں کے حالات ہم نے دل[illegible] ہوئے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ان میں سے بعض کا عہد تحقیق [illegible] بعض کے جو تصنیفات دستیاب ہوئے تھے، ان کے ابتدائی یا آخری اجزا ناقص و ناتمام تھے، اور اس کی وجہ سے تحقیقات کا ذریعہ مفقود ہو گیا تھا۔

۱۹۲۷ء کے اخیر ہفتہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے چالیسویں اجلاس میں شریک ہونے کے لئے ہمیں مدراس جانے کا اتفاق ہوا اور کانفرنس کے ایماء سے ملیبار کے تاریخی حالات مرتب و مدون کرنے کے لئے قریباً چار مہینے مدراس میں مقیم رہنا پڑا۔ اس دوران میں جنوب کے اکثر مقامات کی سیاحت کا موقع مل گیا، جہاں خوش قسمتی سے دکنی تصنیفات کے اکثر نسخے مکمل حالت میں دستیاب ہوئے اور ان کے مطالعہ سے بہت سی نئی باتیں معرض تحقیق میں آگئیں جن کو اس اشاعت میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور امید ہے کہ یہ اشاعت سابقہ اشاعت کے مقابلہ میں زیادہ مکمل اور بہتر ثابت ہوگی

اردوے قدیم پر نظر ثانی کرنے کے لئے باعث تحریک یہ امر ہوا کہ بزمانہ قیام مدراس وہاں کی اردو سوسائٹی نے ۲۳ و ۲۴ جنوری ۱۹۲۸ء کو ادبیات اردو کی ابتدائی تاریخ پر ہمارے دو لکچروں کا انتظام کیا، اور اس کی تیاری میں ہم نے جو یاد داشت فراہم کئے تھے وہ سب اردوے قدیم کی نظر ثانی میں کام آگئے۔

اردوے قدیم کی تالیف و ترتیب میں ادب اور تاریخ و تراجم کی کثیر التعداد کتابوں سے مدد لی گئی ہے، اور ضخیم ضخیم کتب مطالعہ کرنے کے بعد ان منتشر اور پراگندہ معلومات کو فراہم کیا ہے، اور جو بات جس کتاب سے ماخوذ ہے اس کی صراحت اسی موقع پر کر دی گئی ہے، تاہم مزید وضاحت کے لئے کل کتابوں کی ایک مفصل فہرست کتابیات کے عنوان سے آخر میں لگا دی گئی ہے تاکہ ناظرین کو ایک نظر میں معلوم ہو جائے کہ اس کے ماخذات میں

کون کون سی کتابیں شامل ہیں، اور ان کی کن اشاعتوں سے اس میں کام لیا گیا ہے، تاکہ بوقت ضرورت اصل کی جانب رجوع ہونے کے لئے کسی قسم کی دقت و دشواری باقی نہ رہے۔

۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۷ء میں پروفیسر بلوم ہارٹ نے انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے اردو مخطوطات کی توضیحی فہرستیں شائع کیں تو ہمیں توقع ہوئی کہ ان کی وجہ سے قدیم اردو تصنیفات کے متعلق ہماری معلومات میں بعض نئی باتوں کا ضرور اضافہ ہو جائے اور اردوئے قدیم پر نظر ثانی کرنے میں ان سے تھوڑی بہت مدد ضرور ملے گی، لیکن ان کتابوں کے دیکھنے کا جب اتفاق ہوا تو معلوم ہو گیا کہ ان میں دکنی ادب کی زیادہ تر ان ہی کتابوں کا ذکر ہے جن سے ادب اردو کی ابتدائی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے مدت سے واقف ہیں اور ان میں اکثر کتابوں کا تذکرہ اردوئے قدیم میں آچکا ہے۔

ان فہرستوں میں دکنی مصنفین اور ان کی تصنیفات کی نسبت پروفیسر موصوف سے اکثر جگہ فاش غلطیاں ہوگئی ہیں، مثلاً وہ قصہ چندر بدن کو عزیز، پنچھی باچہ کو ضعیف کی اور بکٹ کہانی کو گوپال کی تصنیف بتاتے ہیں، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ چندر بدن مقیمی کی تصنیف ہے، پنچھی باچہ کے مصنف کا تخلص وجدی ہے جو کتاب میں جگہ جگہ آیا ہے، بکٹ کہانی محمد افضل نے لکھی ہے جن کا تخلص افضل ہے اور جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کی تخت

۱؎ یہ لکچر مدراس کے رسالہ قبنہ بابت اکتوبر ۱۹۲۸ء و جنوری ۱۹۲۹ء میں شائع ہو چکے ہیں۔

نشینی سے پہلے ۱۰۳۵ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ اسی نوعیت کی چند غلطیاں اسپرنگر۔ ولسن، ڈے۔ ٹاسی اور ایتھے سے بھی ہوئی ہیں ہم نے ان سب کا کتاب میں موقع بموقع تذکرہ کیا ہے اور تا امکان ان کی تصحیح کردی ہے۔

حکیم شمس اللہ قادری
حیدرآباد دکن
۲۷ رجون ۱۹۲۹ء

لے ان مباحث کے لئے دیکھئے ہمارا مضمون اردو مخطوطات مندرجہ رسالہ اردو جلد ہشتم ۱۹۲۸ء

تاریخ زبان اردو

(۱)

سنسکرت کا انحطاط اور پراکرت کا رواج

آریاؤں کی مقدس زبان سنسکرت کو جناب مسیحؑ سے صدیوں پہلے انحطاط ہوگیا تھا اور اس کی بجائے ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں مروج ہوگئی تھیں جن کو پراکرت کہتے تھے۔ پراکرتوں کو کس زمانہ سے عروج ہوا ہے اس کا سراغ لگانا دشوار ہے۔ لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ جناب مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے پراکرت زبانوں کو رواج عام حاصل ہوگیا تھا۔ بدھ اور جین مت کی[1] مذہبی زبان پراکرت تھی۔ سکندر کبیر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا[2] تو اس وقت ملک میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں۔ راجہ اشوک[3] کے پراکرت میں کندہ ہوئے تھے۔

مشہور پراکرت

پروفیسر ویبر کی تحقیقات کے موافق چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ اسلام کا ظہور ہوا ہے ہندوستان میں بیس سے زیادہ پراکرت بولی جاتی تھی لیکن ان میں ذیل کی پانچ پراکرت زیادہ مشہور اور ممتاز تھیں۔

(۱) پالی۔ یہ زبان مگدھ میں (جسے آج کل بہار کہتے ہیں) بولی جاتی تھی

---

[1] بدھ اور جین مذہب کے بانی مہاویر اور گوتم بدھ دونوں ہم عصر ہیں جناب مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے گذرے ہیں

[2] سکندر کبیر نے ۳۲۷ ق ع اور ۳۲۶ ق ع کے مابین ہندوستان پر حملہ کیا ہے۔

[3] راجہ اشوک نے ۲۷۲ ق ع سے ۲۳۱ ق ع تک حکومت کی ہے

اس میں بدھ مذہب کا مذہبی لٹریچر تھا جس کے باعث وہ سیلون برہما اور سیام میں بھی پھیل گئی تھی۔

(۲) جینا پراکرت ۔ اس کی دو شاخیں تھیں ایک میں جین مت کی مذہبی کتابیں تصنیف ہوئی تھیں، دوسری وہ ہے کہ جس میں جین کی مذہبی کتابوں پر تفاسیر لکھی گئی تھیں۔ یہ زبان جینا مرہٹی کہلاتی تھی۔

(۳) مہاراشٹری ۔ یہ زبان مہاراشٹر میں (جسے آجکل مرہٹواڑی کہتے ہیں) مروج تھی اور آرین اور پارتھیں زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی۔

(۴) سوراسینی ۔ یہ زبان علاقہ برج میں (جسے آج کل متھرا کہتے ہیں) بولی جاتی تھی۔

(۵) مگدھی زبان پالی کے علاوہ تھی اور علاقہ مگدھ میں اس کا رواج تھا۔

پراکرت ۔ آریہ قبائل کی زبانیں تھیں اور سنسکرت کے تغیر سے بنی تھیں ان کے علاوہ جنوب میں دریائے گوداوری کے نیچے ڈراویڈین اقوام کی متعدد زبانیں مروج تھیں، مثلاً تلنگی، کنڑی، ٹامل، ملیالم وغیرہ یہ زبانیں نہ صرف پراکرت بلکہ سنسکرت سے بھی قدیم تھیں اور تورانی السنہ سے ان کا تعلق تھا۔

سوراسینی یا برج بھاشا سوراسنی کا مرکز برج تھا جس کے باعث اس کو برج بھاشا بھی کہا کرتے تھے بہ نسبت دوسری پراکرتوں کے برج بھاشا کا احاطہ نہایت وسیع تھا، بہار سے سندھ اور لاہور سے مالدہ تک بولی جاتی تھی اور حضرت مسیح کے ظہور سے پہلے اس کو ایک شائستہ زبان کا درجہ حاصل ہوگیا تھا۔ وررا رُچی نے جو راجہ وکرماد یتہ کا درباری عالم

تھا[1]۔ اس کے گرامر (صرف ونحو) کو مدون کیا تھا[2]۔ اور اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب تھی۔

اردو کا منبع ومخرج برج بھاشا ہے

زمانہ حال کی تاریخی اور لسانی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہوگیا ہے کہ زبان اردو کا منبع و مخرج برج بھاشا ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ نیرہ، جوزہ، بندرہ اور اسی قبیل کے اور بہت سے الفاظ جو اردو میں مستعمل ہیں ورارو چی نے انہیں اپنی گرامر میں بجنسہ بیان کیا ہے[3]۔ مسلمان فاتحوں سے جب ہندوؤں کا میل جول ہوا تو برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد زبان کی اصل ہیئت بدل گئی جس کے باعث ایک جدید زبان کا ظہور ہوا اور یہ جدید زبان سلاطین مغلیہ کے دور میں زبان اردو کے نام سے موسوم ہوئی۔

لفظ اردو کی تحقیق

اردو ترکی زبان کا لفظ ہے اور لشکر گاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یک شمہ بہ ایوان تو خورشید منور
یک خیمہ در اردوئے تو گردون معلی

---

[1] راجہ وکرما دیتہ اوجین کا مشہور راجہ ہے، مشہور شاعر کالیداس اسی کا درباری شاعر تھا۔ جناب مسیح سے چھپن[56] سال پہلے اس نے باختر پر حملہ کیا ہے۔

[2] ورارو چی کی گرامر پراکرت پرکاش کے نام سے مسٹر کاویل نے ۱۸۶۹ء میں بمقام لندن چھپوائی ہے۔

[3] دیکھو پراکرت پرکاش فصل اول فقرہ نہم فصل دوم فقرہ چہارم

امیر علاء الدین جوینی کی تاریخ جہاں کشا[1] اور وزیر رشید الدین فضل اللہ کی جامع التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان اور اس کی اولاد کے زمانہ میں مغل بادشاہوں اور بادشاہ زادوں کے فرودگاہوں اور لشکرگاہوں کو اردو کہا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کا مستقر حکومت بھی اردو کہلاتا تھا اور قراقرم کا قدیم نام اردو بالیغ تھا.

چنگیز خاں کے فرزند جوجی خاں کی اولاد نے دشت قبچاق اور روس و بلغار میں ایک وسیع حکومت قائم کر لی تھی اس کے حکمراں جب کسی مہم پر مستقر سے روانہ ہوتے تو زریں خیموں میں قیام کیا کرتے تھے جس کے باعث ان کی لشکرگاہیں اردوئے مطلا (Golden Horde) کہلاتی تھیں اور خود انہیں خوانین اردوئے مطلا کے لقب سے شہرت ہو گئی تھی[2].

---

[1] تاریخ جہانکشا جلد اول ص ۱۹۹، ص ۳ جامع التواریخ جلد دوم ص ۳، ص ۲۵

[2] خوانین اردوئے مطلا ۶۲۱ھ سے ۹۰۷ھ تک برسر حکومت رہے ہیں ان کی تین شاخیں تھیں.

(۱) خاندان باتو خان. ان کا دارالحکومت سرائے. دریائے والگا پر آباد تھا (۲) خاندان تغا تیمور. بلغار میں ان کی حکومت تھی قازان مستقر تھا (۳) خاندان شیبانی ان کو ازبک بھی کہتے ہیں. ابتداءً گرغیز میں ان کی حکومت تھی پھر خیوا اور بخارا میں آکر برسر حکومت ہو گئے تھے شرف الدین علی یزدی کے ظفر نامہ پر مرزا شاہ رخ نے جو مقدمہ لکھوایا ہے اس میں اس خاندان کے مفصل حالات ہیں اور غیاث الدین خوندمیر نے حبیب السیر میں ان کا خلاصہ تحریر کیا ہے دیکھو جلد سوم جزو اول ص ۱۳

خروج چنگیز خاں کے بعد سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ سے سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت مغلوں نے ہندوستان پر گیارہ حملے کئے اور کم و بیش سو سال تک ہندوستان کا شمالی خطہ ان کی تاخت و تاز کا جولانگاہ بنا رہا۔ اسی زمانہ سے ہندوستان میں لفظ اردو کا استعمال شروع ہوا اور یہاں بھی لشکر گاہ کو اردو کہنے لگے۔ قاضی منہاج الدین جوزجانی کی طبقات ناصری جو ۶۵۸ھ میں بعہد سلطان ناصر الدین محمود تصنیف ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اہل ہند مغلوں کے لشکر گاہ کو اردو کہا کرتے تھے۔

چوں ملک اعظم الغ خاں لشکر ہا بطرف ناگور برد و با ملک شیر خاں ایشاں را مکاوحت رفت در حوالی سندھ ملک شیر خاں ازانجا عزیمت ترکستان کرد و بطرف اردوے مغل رفت و بدرگاہ منکو خاں پیوست[1]

شمس الدین عفیف کی تاریخ فیروز شاہی تیموری حملے سے کچھ عرصہ پہلے ۸۰۰ھ کے حدود میں لکھی گئی ہے اس میں بھی لفظ اردو آیا ہے اور مصنف نے اسے فیروز شاہی لشکر گاہ کے متعلق استعمال کیا ہے[2]

شہنشاہ بابر نے ۹۳۲ھ میں ہندوستان فتح کیا، دہلی اور آگرے کی تسخیر کے بعد ۹۳۳ھ میں جو فتح نامے اطراف و اکناف میں روانہ کئے ان میں اپنے لشکر کو اردوے نصرت شعار کے لقب سے موسوم کیا ہے[3]

---

[1] طبقات ناصری طبع کلکتہ ص۲۷۷

[2] تاریخ فیروز شاہی طبع ص۵۳

[3] بابر نامہ۔ طبع قازان ص۴۱۳

سلاطین تیموریہ کے درباری مورخ جو اکبر اور جہانگیر کے عہد میں گزرے ہیں لفظ اردو کو شاہی لشکر اور شاہی فرودگاہ کے لئے استعمال کرتے ہیں[۱]

بابر اکبر اور جہانگیر نے لشکر گاہوں میں جو سکے مضروب کرائے ہیں ان پر دار الضرب کا نام اردو مسکوک ہوا ہے۔ طبقات اکبری ۲۱۶ و ۲۱۷

اکبر (۹۶۳ھ ۱۰۱۴ھ) کے زمانے سے شاہی لشکر اور دار الحکومت کے لشکر گاہ کو اردوئے معلی کہا کرتے تھے[۲] اور اس کا بازار اردو بازار کہلاتا تھا

---

[۱] طبقات اکبری ۲۱۲ و ۲۱۶ و ۳۱۷ اقبال نامہ جہانگیری طبع کلکتہ جلد دوم ۲۹۱ و ۳۰۹

[۲] بابر کے ایک سکہ پر جو ۹۳۷ھ میں مضروب ہوا ہے "ضرب اردو" منقوش ہے (دیکھو وایٹ ہیڈ کی فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ پنجاب میوزیم لاہور)

اکبر نے اجمیر ۹۸۴ھ اور پنجاب ۹۹۹ھ کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے ان پر دار الضرب کا نام "اردوئے ظفر قرین" ثبت ہے۔ دیکھو نلسن رایٹ کی فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ انڈین میوزیم کلکتہ جلد سوم

جہانگیر نے جلوس کے گیارہویں سال ۱۰۲۵ھ میں مالوہ کی جانب سفر کیا اور دوران سفر میں جو سکے مضروب کرائے ان پر حسب ذیل بیت ثبت ہے اور یہ دار الضرب "اردو در راہ دکن" کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ دیکھو وایٹ ہیڈ کی فہرست

باردو سکہ زد در راہ دکن شاہ بحر و بر	شہنشاہ زماں شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

جہانگیر نے جلوس کے بارھویں سال (۱۰۲۶ھ) کشمیر کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے ان پر حسب ذیل بیت ثبت ہے۔

بادرواں تا کہ بود مہر و ماہ	سکۂ اردوئے جہانگیر شاہ

دیکھو نیو مسماٹک سپلیمنٹ حصہ اول مضمون چہارم شمولہ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال بابت ۱۹۰۴ء

اردو عام طور پر مغلیہ اردو یعنی لشکر گاہوں میں بولی جاتی تھی جس کے باعث اس کا نام زبان اردو یعنی اہل لشکر کی زبان شہرت پا یا اور بعد میں کثرت استعمال سے لفظ زبان ختم ہو گیا اور عام طور پر اردو کہنے لگے [۱]

ریختہ کی تحقیق اردو کا دوسرا نام زبان ریختہ ہے، قدما، نظم اردو کو ریختہ کہا کرتے تھے [۲] ولی دکھنی کے ایک شعر میں آیا ہے

یہ ریختہ ولی کا جا کر اسے سنا دو
رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

لغت میں گری پڑی چیز کو ریختہ کہتے ہیں، چنانچہ خواجہ کمال خجندی کا ایک شعر ہے [۳]

خونم چہ شد ریختہ مستی کند آں چشم
از ریختہ ذوق است و طرب در سر ہند و

لیکن شعراء فارسی کی اصطلاح میں ریختہ وہ کلام کہلاتا ہے جو دو یا زیادہ زبانوں سے مخلوط ہو۔ قدمائے اردو کا کلام فارسی اور ہندی سے مخلوط ہوا کرتا تھا جس کے باعث ریختہ کے نام سے شہرت پایا اور بعد میں یہ لفظ اس قدر عام ہوا کہ ہر قسم کی نظم اردو پر ریختہ کا اطلاق ہونے لگا اور اسی مناسبت سے زبان کا نام بھی زبان ریختہ مشہور ہو گیا۔

---

[۱] گلستان سخن صـ۶۵ سید انشاء اللہ خاں نے دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ "خوش بیانان آنجا دار الحکومت شاہجہاں آباد متفق شدہ از زبان ہائے متعدد الفاظ دلچسپ جدا نمودہ در بعضے عبارات و الفاظ تصرف بکار بردہ زبانے تازہ سوائے زبانہائے دیگر بہم رسانیدند و بہ اردو موسوم ساختند۔

[۲] تحقیق زبان ریختہ صـ۳ - [۳] بہار عجم جلد دوم صـ۱۱

(۲)

ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ (۱۳ھ ۲۳ھ) کے زمانے سے مسلمانوں نے ہندوستان پر حملے کرنے شروع کئے ۱۵ھ میں عثمان بن عاص الثقفی نے جو عمان و بحرین کے حاکم تھے سواحل سندھ پر حملہ کیا۔ ان کے جنگی جہاز بمبئی کے قریب تانہ پر لنگر انداز ہوئے۔ اس کے چند ماہ بعد انہیں نے دو اور مہم ہندوستان کی جانب روانہ کئے، جن کے افسران کے دو بھائی مغیرہ اور حکم تھے۔ مغیرہ نے دیبل پر اور حکم نے بروص (بھروچ) پر یورش کی لیکن ان کا کوئی کامیاب نتیجہ نہیں نکلا ۲۲ھ میں جب ایران فتح ہو گیا اور مسلمان عراق سے خراساں تک تمام ممالک پر قابض و متصرف ہو گئے۔ ایران کے وہ ممالک جو ہندوستان سے ملے ہوئے تھے جیسے مکران و سیستان و طخارستان و زابلستان وغیرہ حضرت عثمانؓ (۲۳ھ ۳۵ھ) کے زمانہ میں مفتوح ہوئے اس کے بعد ہندوستان پر اسلامی حملوں کا آغاز ہوا۔ ۴۴ھ میں امیر مہلب بن ابی صفرہ نے کابل کے راستہ سے ہندوستان پر حملہ کیا اور تاخت و تاز کرتا ہوا لاہور تک چلا آیا۔ اس مہم میں ملتان سے کابل تک تمام ملک اسلامی تصرف میں آگیا۔

سندھ کی فتح

اس کے بعد مسلمانوں نے بیس سال تک سندھ پر متعدد حملے کئے اور بہت سے سرحدی اور ساحلی مقامات کو فتح کر لیا۔ خلیفہ عبد الملک بن مروان (۶۵ھ ۸۶ھ) کے زمانہ میں جب حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے سندھ پر کئی مہم روانہ کئے۔ ان میں ۹۶ھ کی مہم نہایت کامیاب ہوئی[1]

---

[1] ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۹۸

اس کا افسر محمد بن قاسم تھا جس نے سب سے پہلے دابل کو فتح کیا، پھر فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور محمد قاسم نے ملک کے اندر قدم بڑھانا شروع کیا ۹۶ھ تک بھمن آباد، الور اور ملتان فتح ہو گئے اور سندھ پر مسلمانوں نے بالاستقلال قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم معزول ہو کر دربار خلافت چلا آیا، اور اس کے بجائے تمیم سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔

سندھ میں عربوں کی حکومت

فارسی اور انگریزی مؤرخین کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ محمد قاسم کے بعد سندھ کی اسلامی حکومت تباہ ہو گئی اور ملک پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا بلکہ عربی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ الواثق باللہ (۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ) کے زمانہ تک دربار خلافت سے سندھ میں گورنر مقرر ہو کر آتے تھے اور منصورہ ان کا مستقر حکومت تھا جب خلافت بغداد کو انحطاط شروع ہوا تو سندھ میں خلفاء کی حکومت برائے نام رہ گئی، اور ملک میں عربوں کے جو قبائل آباد تھے ان کے سرداروں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لیں، یہ حکومتیں کشمیر کی سرحد سے بحر فارس اور سیستان و مکران تک پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے حکمران سلاطین غزنویہ کے تسلط تک ملک سندھ پر قابض و متصرف تھے

(۳)

غزنیں میں سلطنت اسلامیہ کا قائم ہونا

ہندوکش کے شمال میں پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی، لیکن پانچویں صدی تک مسلمانوں نے اس کے پیچھے اپنی عملداری وسیع کرنے کی کوشش نہیں کی ۳۲۷ھ

میں الپ تگین نے جو سلاطین سامانیہ کا ترکی غلام تھا غزنین میں ایک مستقل حکومت کا سنگ بنیاد رکھا، یہ حکومت ایسے ملک میں قائم ہوئی جو ہندوستان وخراسان کے بیچ میں واقع تھا اور یہاں سے باسانی ہندوستان میں آمد ورفت ہو سکتی تھی، اس وقت پنجاب میں راجہ جے پال حکمراں تھا۔ اس کی حکومت نیلاب (دریائے سندھ) کے شمال میں اسلامی مقبوضات تک پھیلی ہوئی تھی، سبک تگین نے (۳۶۶ھ تا ۳۸۷ھ) جو الپ تگین کا جانشین تھا راجہ کے ساتھ وادی لمغان میں دو لڑائیاں کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نیلاب تک راجہ کا ملک مسلمانوں کے تصرف میں آگیا[۱]

سلطان محمود کی فتوحات

سبکتگین کے بعد سلطان محمود (۳۸۹ھ تا ۴۲۱ھ) برسر حکومت ہوا اس کے زمانہ سے ہندوستان کی اصلی فتوحات شروع ہوتی ہیں، اس نے ۳۹۲ھ/۱۰۰۱ء سے ۴۱۵ھ/۱۰۲۴ء تک ہندوستان پر سترہ حملے کئے[۲] اور نیلاب کو عبور کر کے جنوب میں کوہستان بندھیاچل تک اپنی فتوحات کو وسعت دیتا ہوا چلا گیا، اس کی فتوحات کے انتہائی مقام مشرق میں کالنجر اور مغرب میں سومناتھ تھے، پہلا مقام جمنا (دریائے گنگا) کے نیچے بندیل کھنڈ میں اور دوسرا گجرات میں سمندر کے کنارے واقع ہے محمود نے ۴۰۹ھ میں قنوج و متھرا کو فتح کیا[۳]

---

[۱] فرشتہ جلد اول صفحہ ۲ الفنسٹن ہسٹری صفحہ ۳۱۴

[۲] ان حملوں کے مفصل حالات طبقات اکبری تاریخ فرشتہ، منتخب التواریخ اور الفنسٹن ہسٹری میں تحریر ہیں [۳] طبقات اکبری صفحہ ۵ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۹

۴۱۳ھ میں کالنجر کے راجہ کو مطیع و منقاد بنا دیا[1] ۴۱۵ھ میں گجرات کے دار السلطنت نہروالہ پٹن کو فتح کر کے سومنات کو تاخت و تاراج کیا۔ محمود کے بعد اس کی اولاد کے قبضہ سے مفتوحہ ممالک کا بہت حصہ نکل گیا۔ لیکن پنجاب پران کا قبضہ بدستور قائم رہا۔

آل سبکتگین کا لاہور کو دار الحکومت قرار دینا

اس زمانہ میں آل شنسب کو عروج حاصل ہوا اور بہرام شاہ (۵۱۲ھ تا ۵۴۷ھ) کے زمانہ میں غزنین پر قبضہ ہو گیا اس وقت آل سبکتگین کے ہاتھ میں صرف پنجاب کی حکومت باقی رہ گئی۔ بہرام شاہ نے غزنین سے نکل کر پنجاب میں سکونت اختیار کی اور لاہور کو اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ اس کے بعد اس کے دو جانشین خسرو شاہ (۵۴۷ھ تا ۵۵۵ھ) اور خسرو ملک (۵۵۵ھ تا ۵۸۳ھ) کم و بیش چھتیس سال تک لاہور میں حکومت کرتے رہے۔ ۵۸۳ھ میں محمد بن سام نے جس کا لقب شہاب الدین غوری ہے لاہور کو فتح کر لیا تو آل سبکتگین کا خاتمہ ہو گیا اور پنجاب آل شنسب کے قبضہ میں آگیا۔[2]

آل شنسب کا لاہور اور محمد بن سام کے فتوحات

اس کے بعد محمد بن سام نے ہندوؤں سے لڑائی جھگڑے شروع کئے۔ اس وقت ہندوستان میں چار خاندان حکمران تھے، تومر ادہلی میں، چوہان اجمیر میں، راٹھور قنوج میں، باگھیلے گجرات میں، دہلی کا راجہ ناگ دیو جب لاولد مر گیا تو اس کا نواسہ رائے پتھورا جو اجمیر کا راجہ تھا

---

١ طبقات اکبری ص۹ فرشتہ جلد اول ص۳۱

٢ طبقات اکبری ص۹ فرشتہ جلد اول ص۳۲

٣ طبقات اکبری ص۱۹

دہلی میں برسرِ حکومت ہوا اور اس طرح تنومرا خاندان کی حکومت چوہان خاندان میں منتقل ہوگئی [1]

محمد بن سام نے فتح لاہور کے بعد جب ہندوؤں پر حملہ کیا تو رائے پتھورا نے تراوڑی میں اس کو پسپا کر دیا، لیکن اس کے دو سال بعد ۵۸۹ھ میں بمقام تھانیسر اس نے فتح حاصل کی اور راجہ لڑائی میں مارا گیا، اجمیر اور دہلی مسلمانوں کے تصرف میں آگئے، اس کے بعد ۵۹۲ھ میں قنوج فتح ہوا۔

ہندوستان خاص اور بہار و بنگال کا سلطنت اسلامیہ میں شامل ہونا

اس اثنا میں اودھ اور بہار بھی مسخر ہو گئے غرضکہ سندھ سے بنگالہ تک اور لاہور سے بیانہ تک تمام ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، ۶۰۲ھ میں دریائے نیلاب کے پاس ملاحدہ اسمٰعیلیہ نے محمد سام کو شہید کر دیا، اس کے بعد ان کی سلطنت ان کے غلاموں میں تقسیم ہوگئی، تاج الدین یلدوز غزنین میں، ناصر الدین قباچہ سندھ میں، قطب الدین ایبک دہلی میں، بہاء الدین طغرل بیانہ میں خود مختار ہو گئے، طغرل کی وفات کے بعد بیانہ قطب الدین ایبک کے قبضہ میں آگیا جس کے باعث دہلی کی عملداری جنوب میں نربدا تک پھیل گئی، اسی زمانہ میں ملک اختیار الدین خلجی کی کوشش سے بنگالہ بھی فتح ہوگیا، التمش کے زمانہ میں جب تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ کا خاتمہ ہوا تو ان کے علاقہ بھی دہلی میں شامل ہو گئے۔

---

[1] دول اسلام ذہبی ص ۸۱ جلد دوم

[2] فرشتہ جلد اول ص ۱۱۹ الفنسٹن ہسٹری ص ۳۸۸

دکن میں بندھیاچل سے راس کماری تک مسلمانوں کے فتوحات

التمش کے جانشینوں نے توسیع سلطنت کی بہت کم کوشش کی لیکن جب ان کی حکومت خلجی خاندان میں منتقل ہوگئی تو سلطان علاء الدین محمد (۶۹۵ھ – ۷۱۵ھ) نے دکن کی جانب پیش قدمی کی ۷۰۶ھ میں دیوگڈھ فتح ہوا ۷۰۹ھ میں ورنگل اور ۷۱۰ھ میں کرناٹک مفتوح ہوئے اس آخر الذکر فتح کی بدولت مسلمان انتہائے جنوب میں بندر رامیشورم تک پہنچ گئے، اور وہاں سلطان علاء الدین کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کی گئی جو جہانگیر کے زمانہ تک موجود تھی[۱] سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ – ۷۱۵ھ) کے زمانہ سے ملک دکن سلطنت دہلی میں شامل ہوگیا، اور اس کے بعد قریباً چالیس سال تک تخت دہلی سے اس کا تعلق قائم رہا، محمد بن تغلق (۷۲۵ھ – ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں امرائے دکن نے بغاوت کی جس کے باعث دہلی کی حکومت سے دکن آزاد ہوگیا، اور یہاں ۷۴۶ھ کے قریب ایک نئی سلطنت بہمنیہ (۷۴۶ھ – ۹۳۳ھ) قائم ہوگئی، جس کے فرماں روا کم و بیش دو سو سال تک حکمراں رہے، نویں صدی سے اس کو بھی انحطاط شروع ہوا، اور پچاس سال کے اندر ملک کو مختلف سرداروں نے تقسیم کرلیا، اور ایک سلطنت کے عوض پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہوگئیں

---

(۱) فرشتہ جلد اول ص۱۱۹ الفنسٹن ہسٹری ص۳۸۸

(۴)

عربوں کے دورِ حکومت میں سندھ کی اسلامی آبادی

جیساکہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، سندھ کے فاتحین عرب کے مسلمان تھے یہ لوگ جب سندھ میں آئے تو اپنے ساتھ عربی زبان اور عربی تمدن لیتے آئے اور اسے ملک میں اس قدر پھیلایا کہ سندھ شام و عراق کا نمونہ بن گیا، سندھ میں کم و بیش پانسو سال تک ان کی حکومت رہی ہے، اس عرصہ میں عراق و عرب کے سینکڑوں قبائل نے آکر سندھ میں سکونت اختیار کر لی اور یہاں کے باشندوں کے ساتھ اس قدر اختلاط بڑھ گیا کہ دونوں میں امتیاز کرنا اجنبی کے لئے دشوار ہوگیا، ابن حوقلؒ جو چوتھی صدی کا مشہور سیاح ہے جب سندھ میں آیا تو دیکھا کہ یہاں کے ہندو مسلمان دونوں کی ایک سی معاشرت ہے، دونوں ایک زبان بولتے ہیں، سندھ میں عربی اور ہندی بولی جاتی ہے، ملتان میں ملتانی اور فارسی کا رواج ہے۔

آلِ سبکتگین کے زمانہ میں پنجاب کی اسلامی آبادی

آلِ سبکتگین اور سلاطین غزنویہ کے زمانہ میں جو مسلمان ہندوستان میں آئے تھے وہ ترک مغول اور افغان تھے ابتدا میں ان کا مرکز حکومت لاہور تھا اور یہاں سلطان محمود کے زمانے سے سپہ سالار رہا کرتے تھے ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری (المتوفی ۴۶۵ھ) و فخر الزہاد شیخ فخر الدین زنجانی جو مشاہیر مشائخ صوفیہ سے تھے اس زمانہ میں لاہور میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے، مسعود سعد سلمان، ابوالفرج رونی

ؒ ابن حوقل نے ۳۳۱ھ سے ۳۵۷ھ تک بلاد اسلامیہ میں سفر کیا اور ۳۶۷ھ میں اپنا سفر نامہ مدون کیا، جس کا نام المسالک والممالک ہے اور اسے ڈیخویہ نے ۱۸۷۳ء میں چھاپ کر شائع کیا ہے ۱۲

ابو عبداللہ النکتی اور حمید الدین مسعود جو فارسی کے مشہور شاعر ہیں اسی زمانہ میں لاہور میں پیدا ہوئے تھے، مشہور ادیب ابو نصر فارسی لاہور میں رہا کرتا تھا اور اس نے ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا جو صدیوں قائم رہا اور اس میں علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

سلاطین دہلی کے زمانہ میں ہندوستان کی اسلامی آبادی

جانشینان محمد بن سام کے زمانہ میں اجمیر دہلی بیانہ بہار لکھنوتی وغیرہ بھی مسلمانوں کے مرکز قرار پائے، اور جس قدر مقامات فتح ہوتے گئے وہاں بڑے بڑے اکابر دین اور ان کے مرید و معتقدین نے سکونت اختیار کی، اس طرح سو سال کے اندر اندر پنجاب سے بنگال تک اور لاہور سے کرناٹک تک مسلمان تمام میں پھیل گئے، اور ان کے ساتھ ان کا مذہب ان کا تمدن اور ان کی زبان بھی پھیل گئی، چنانچہ ابن بطوطہؒ جو آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ہے، ہندوستان آیا اور اس سرے سے اس سرے تک ملک کا سفر کیا تو اس نے تمام ملک کو اسلامی آبادی اور اسلامی آثار سے معمورہ مملو پایا۔

ہندوستان کا اسلامی تمدن جو عربی اور ہندی تمدن کے اختلاط سے بنا ہے

مسلمانوں نے جب ہندوستان میں قدم رکھا تو اپنا تمدن اور اپنی زبان ساتھ لائے لیکن مفتوح اقوام پر اس کا گہرا اثر نہیں پڑا جیسا کہ مصر و ایران پر پڑا تھا، ان ممالک میں اسلامی تمدن اور اسلامی زبان نے قدیم تمدن اور قدیم زبان کو ناپید کر دیا، اس کے خلاف

ؒ ابن بطوطہ آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ہے ۷۳۴ھ میں سلطان محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان میں آیا اور دس سال تک یہاں رہ کر ۷۴۳ھ میں چین چلا گیا، اس کا سفرنامہ فرنچ ترجمہ کے ساتھ ڈی فرمری نے ۱۸۵۳ء، ۱۸۷۷ء میں بمقام پیرس چھپوایا ہے۔

ہندوستان میں مفتوحین کا اثر فاتحین پر پڑا لیکن فاتحین کا تمدن ایسا نہ تھا کہ وہ مفتوحین کے تمدن میں ضم ہو جاتا اس لئے دونوں تمدنوں کے ملنے سے ایک تیسرے تمدن کا ظہور ہوا۔ یہی کیفیت زبان کی نسبت پیش آئی، فاتحین اپنی زبان کو ہندوستان میں عام نہ کر سکے۔ لیکن ہندوؤں کی زبان بھی ان کی عام زبان نہ ہو سکی بلکہ دونوں اقوام کی زبان کے اختلاط سے ایک تیسری زبان وجود میں آئی جو اردو کے نام سے مشہور ہے۔

اردو زبان جو اسلامی اور ہندی زبانوں کے اختلاط سے بنی ہے

فاتحین اسلام بالعموم فارسی زبان بولتے تھے۔ لیکن ان کی فارسی خالص فارسی نہ تھی۔ بلکہ اس عربی کے ہزاروں الفاظ شامل ہو گئے تھے، ہندوستان کی زبانوں میں برج بھاشا (سوراسینی) اگرچہ دوآبہ[1] کی زبان تھی لیکن پانچویں صدی ہجری تک اس کو بے حد وسعت ہو گئی تھی۔ بہار سے نیلاب اور نیلاب سے مالوہ تک بولی جاتی تھی اور اس اعتبار سے ملک اس خطہ کی عام زبان تھی۔ جہاں سب سے پہلے اسلامی حکومت قائم ہوئی، مسلمان آباد ہوئے اور اسلامی تمدن نے نشو و نما پائی، مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی فارسی الفاظ داخل ہونے لگے جس کے باعث اس میں تغیر شروع ہوا جو روز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کر لی۔

اردو کی ابتدا کے متعلق مورخین سلف کے بیانات

برج بھاشا کا یہ تغیر کب شروع ہوا اور اردو زبان کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی اس کی نسبت مصنفین سلف نے اختلاف کیا ہے۔

[1] دوآبہ اس علاقہ کو کہتے ہیں جو گنگا جمنا کے مابین واقع ہے۔

سرسید احمد خاں نے آثار الصنادید (تالیف ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۴ء) خاتمہ میں لکھا ہے کہ :-

"اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بھاشا میں کچھ تغیر و تبدیل نہیں ہوئی تھی مسلمان اپنی گفتگو فارسی زبان میں اور ہندو اپنی گفتگو بھاشا میں کیا کرتے تھے، پھر جب بھی امیر خسرو نے خلجی بادشاہوں کے زمانے سے یعنی حضرت مسیح کی تیرہویں صدی میں فارسی زبان میں بھاشا کے لفظ ملانے شروع کئے تھے اور کچھ پہیلیاں اور مکرنیاں اور نسبتیں ایسی زبان میں کہی تھیں جس میں اکثر الفاظ بھاشا کے تھے غالب ہے کہ رفتہ رفتہ بھاشا میں جب ہی سے ملاپ شروع ہوا ہو مگر ایسا نہ تھا جس کو جدا زبان کہا جائے۔

جبکہ شاہجہاں بادشاہ نے ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء میں شہر شاہجہاں آباد آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا اس زمانہ میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت مل گئی اور بعضے فارسی لفظوں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں بسبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدیل ہو گئی غرضکہ لشکر بادشاہی اور اردوئے معلی میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی اور اسی سبب سے زبان اردو نام ہوا، پھر کثرت استعمال سے لفظ زبان محذوف ہو کر اس زبان کو اردو کہنے لگے، رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آراستگی ہوتی گئی یہاں تک کہ تخمیناً ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۹ء کے یعنی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں شعر کہنا شروع ہوا،"[1]

---

[1] آثار الصنادید طبع نامی پریس کانپور ۱۹۰۴ء حصہ سوم ص ۱۰۴ و ص ۱۰۵

میر امن دہلوی نے باغ و بہار (تالیف ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۱ء) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ:

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئے، لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو مقرر ہوئی [1]

مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ (تالیف ۱۲۷۵ھ) میں لکھا ہے:۔

"زبان اردو روزمرہ شہر دہلی کو کہتے ہیں، اس شہر میں قدیم الایام سے برابر زبان ہندی مروج تھی، ہر شخص اسی زبان میں کلام کرتا تھا جب ۵۸۹ھ میں سلطان معزالدین مشہور شہاب الدین محمد غوری نے ملک ہند پر چڑھائی کی اہل ہند کو شکست دی رائے پتھورا کا کام تمام کیا، تمام ملک ہند سلاطین غور کے قبضہ اختیار میں آیا رفتہ رفتہ زبان قدیم میں الفاظ فارسی عربی و ترکی ملتا گیا، جب محمد شاہ بن تغلق شاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے تو باشندگان دلی پر ایک تازہ ظلم کیا ان کو شہر میں رہنے نہ دیا، دیو گیر معروف بدولت آباد میں بھیج دیا، اور پھر قبل اپنی سلطنت کے زوال کے ان لوگوں کو دلی میں بلالیا، اس نقل و حرکت کے باعث اہت سے الفاظ دکھنی بھی زبان

---

[1] باغ و بہار۔ طبع لندن ۱۸۸۹ء

دہلی میں مل گئے، یہی انداز گفتگو آخر عہد جہانگیر بادشاہ تک رہا
لیکن جب شاہجہاں بادشاہ نے ۱۰۵۸ھ میں شاہجہاں آباد
کو آباد کیا تو شاہجہاں آباد میں اطراف و جوانب عالم سے ہر قسم
کے ذی علم اور صاحب استعداد اور قابل لوگ مجتمع ہوئے قدیم ہندی
متروک ہونے لگی، محاورے میں فرق ہونے لگا، زبان اردو کی ترقی
شروع ہوئی۔[1]

مرحوم سرسید کا بیان ہے کہ شاہجہاں (۱۰۳۷ھ - ۱۰۶۹ھ) کے زمانہ
تک برج بھاشا میں کوئی تغیر نہیں ہوا، جب شاہجہاں آباد آباد ہوا تو وہاں
کے شاہی لشکر اور اردوئے معلیٰ میں برج بھاشا اور فارسی کی ترکیب سے اردو
زبان پیدا ہوئی۔ اس کے برخلاف میر امّن دہلوی کہتے ہیں کہ اکبر (۹۶۳ھ -
۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں اس کی ابتدا ہوئی ہے۔ دونوں کے برخلاف مولانا
ناسخ کا بیان ہے کہ محمد بن سام (۵۶۹ھ - ۶۰۲ھ) کی فتوحات کے بعد
اور محمد بن تغلق (۷۲۵ھ - ۷۵۲ھ) کی تخت نشینی سے پہلے اردو کی بنیاد
پڑی ہے۔

اردو کی ابتدا کے متعلق مستشرقین یورپ کی تصریحات

یہ بیانات مقامی مصنفین کے تھے۔ اب ہم یورپین مستشرقین
کی تصریحات کو بیان کرتے ہیں۔

مسٹر بیمس نے اپنے گرامر میں لکھا ہے کہ فتح ہندوستان کے بعد عرصہ دراز تک
مسلمانوں نے فارسی کو اور ہندوؤں نے ہندی کو محفوظ رکھا، مسلمان مدت تک

---

[1] رسالہ تحقیق زبان ریختہ طبع ۱۹۰۱ء ص ۳

فصیح ہندی بولنے کے عادی تھے اور انہوں نے ہندی میں فارسی الفاظ کو نہیں ملایا تھا، اکبر (۹۶۳ھ - ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں جب راجہ ٹوڈرمل نے طریق مالگذاری کو رواج دیا تو ہندو فارسی زبان سیکھنے پر مجبور ہوئے اس زمانہ میں ہندی میں فارسی الفاظ کی آمیزش شروع ہوئی اور اس طرح پر ایک جدید زبان کی بنیاد پڑی [1]

اردو کے مشہور سرپرست ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے ہندوستانی فیلالوجی میں ایک مسلمان مورخ کی سند پر لکھا ہے کہ جب تیمور (۷۷۱ھ - ۸۰۷ھ) نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس وقت سے اردو کی بنیاد قائم ہوئی [2]

مشہور مستشرق کولبروک کی رائے میں پندرھویں صدی عیسوی (نویں صدی ہجری) کے اخیر ایام سے برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا اور اس نے ترقی پاکر ایک جدید زبان کی صورت اختیار کرلی [3]

ڈاکٹر ونیٹرنز (جس نے جرمن میں ادبیات ہندوستان کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے) کا بیان ہے کہ بارھویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) میں جب مسلمانوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کیا تو عربی فارسی الفاظ

---

[1] Beames - A - Comparative Grammar of the Modern Aryan Lanuges of India P. 15

[2] Dr. Gilchrist Hindostani Philology

[3] Colebroke - Asiatic Researches VOL. VII P.P. 220.

برج بھاشا میں ملنے لگے اور اس تغیر کے باعث سولھویں صدی عیسوی (گیارھویں صدی ہجری) تک ایک نئی زبان پیدا ہو گئی [لہ]

آل سبکتگین کے زمانہ میں اردو کی بنیاد قائم ہوئی ہے

اوپر جو اقتباسات درج ہوئے ہیں ان سے صحیح نتیجہ کے اخذ کرنے کی کوشش کرنا بے سود ہے کیونکہ ان مصنفین نے عدم واقفیت کے باعث اردو کی سرگذشت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے جو دکن سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی وجہ سے ان کی تصریحات نہایت ناقص اور متضاد ہو گئی ہیں تاریخ زبان اردو کا یہ تاریک حصہ جو کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اگر روشنی میں لایا جائے اور اس کی بنیاد پر اردو زبان کی عہد بعہد ترقیاں مطالعہ کی جائیں اور اس کے بعد اس کی تاریخ کو سلسلہ وار ترتیب دیا جائے تو ایسی صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ آل سبکتگین کے زمانہ میں اردو زبان کی ابتدا ہوئی ہے ۔

سلطان محمود کے مقبوضات وسط ایشیا میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے ، ماوراء النہر ، خوارزم ، خراسان ، اور فارس کا بہت بڑا حصہ اس کی سلطنت میں شامل تھا ، لیکن مسعود بن محمود (۴۲۱ھ تا ۴۳۱ھ) کے زمانہ میں آل سلجوق نے تمام ملک چھین لیا [ٹہ] ، اور مودود بن مسعود (۴۳۲ھ تا ۴۴۰ھ) جب برسر حکومت ہوا تو صرف افغانستان و ہندوستان آل سبکتگین کے قبضہ

لہ DR. WINTENITZ GESHIOHTE DER INDICHEN LITTERATUR. P.P. 139

ٹہ روضۃ الصفا جلد چہارم ص ۱۰۱

میں باقی رہ گئے تھے، مسعود کے اعیان وامرا، اور دیگر متوسلین جو وسط ایشیا میں رہتے تھے آل سلجوق کی تاخت وتاز میں بے خانماں ہو گئے تو ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اور یہاں کی مستقل سکونت اختیار کر لی۔

ان نوواردوں نے ہندوؤں کے ساتھ بہت میل جول پیدا کر لیا اور یہاں کی زبان بھی سیکھ لی اور اس میں اس قدر کمال حاصل کر لیا کہ اہل زبان ہو گئے۔ چنانچہ مسعود سعد سلمان اور ابو عبد اللہ النکتی جو سلطان ابراہیم (۴۹۲ھ تا ۵۰۸ھ) کے زمانہ میں گذرے ہیں، فارسی کے مشہور شاعر ہیں، ہندی میں بھی شعر کہا کرتے تھے اور اپنے ہندی کلام کے دواوین بھی مرتب کئے تھے۔[۱]

سلطان محمود کے دربار میں بہت ہندو ملازم تھے، ایک ہندو کو جس نام تلک تھا۔ سلطان نے لشکر کا افسر مقرر کیا تھا اور اس نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ سلطان مسعود نے ہندوؤں کا ایک لشکر ترتیب دیا تھا اس کے افسر اور سپہ سالار بھی ہندو مقرر کئے تھے۔ افسر کا نام ناتھ اور سپہ سالار کا نام تلک تھا۔ ۴۲۶ھ میں جب احمد نیالتگین نے ہندوستان میں بغاوت کی تو اس کی مدافعت کے لئے مسعود نے ناتھ کو روانہ کیا، ایک لڑائی میں

[۱] عوفی جلد ۲ ص ۲۴۶ و ہفت اقلیم در تحت لاہور

[۲] طبقات اکبری ص ۱۵

جب ناتھ مارا گیا تو اس کی جگہ تلک مامور ہوا اور اس نے نہایت عمدگی کے ساتھ نیالتگیں کی بغاوت فرو کی۔[۲]

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آل سبکتگین کے زمانہ میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے گہرے تعلقات قائم ہو گئے تھے میل جول اور تبادلۂ خیالات کی وجہ سے ہندی زبان میں تغیر شروع ہو گیا تھا اور اسی زمانہ سے ایک جدید زبان کی بنیاد قائم ہوئی تھی[1] اور عہد بہ عہد ترقی کرتے ہوئے ساتویں صدی تک اس نے ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی سلطان محمد تغلق (۷۲۵ھ ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے یا جنہوں نے عرصہ دراز سے یہاں کی بود و باش اختیار کر لی تھی، اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی کی زبان کے اگرچہ کہ ہمارے پاس کوئی مستقل نمونے موجود نہیں ہیں لیکن صوفیائے کرام کے ملفوظات اور تاریخ و تراجم کی کتابوں میں اردو کے بہت سے مقولے تحریر ہیں اور ان سے اس بات کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی کیا حالت تھی اور اس میں عہد بہ عہد کس قدر تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

(۵)

شیخ فرید گنج شکر اور زبان اردو

شیخ فرید الدین گنج شکر ساتویں صدی کے مشاہیر مشائخین سے ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے ۶۶۴ھ

---

[1] الفنسٹن ہسٹری طبع ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۴۵

میں انتقال فرمایا ہے۔ آپ کے خلیفہ خواجہ بدرالدین الحق نے بیان کیا ہے کہ آپ اپنے دوست کو" بھیا" کہا کرتے تھے[۲] جواہر فریدی میں (جو بعہد جہانگیر ۱۰۳۳ھ میں تالیف ہوئی ہے)، لکھا ہوا ہے کہ بزمانہ قیام دہلی آپ کو چشم آشوب کی شکایت ہو گئی، اور آنکھ پر پٹی باندھ کر اپنے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے پیر نے پٹی باندھنے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا" آنکھ آئی ہے" اس کے جواب میں پیر کا ارشاد ہوا" اگر آنکھ آئی ہے ایں راچرا بستہ اید"[۳]

شیخ سراج الدین عثمان جو اخی سراج کے لقب سے مشہور ہیں سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے ۷۵۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا[۴]، سلطان المشائخ کی وفات کے بعد جو ۷۲۵ھ میں واقع ہوئی ہے[۵] آپ بنگالے سے دہلی تشریف لائے اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے خرقہ خلافت حاصل کیا خواجہ نے بنگالہ جانے کی ترغیب دی لیکن اخی سراج نے عرض کیا کہ وہاں پہلے سے شیخ علاء الدین تلی موجود ہیں اور خلائق کا رجحان ان کی جانب ہے، میرے وہاں جانے سے کیا نتیجہ ہے اس پر خواجہ صاحب نے ہندی میں ارشاد فرمایا" تم اوپر دے نکلے" شیخ اخی سراج کو اس بشارت سے بے حد مسرت ہوئی اور وہ فوراً بنگالہ

---

[۱] آئین اکبری جلد سوم ۲۷۹ شہزادہ داراشکوہ نے ۶۶۴ھ لکھا ہے (سفینۃ الاولیا ۱۱۶)
[۲] اسرار الاولیا ۳۰۔ [۳] جواہر فریدی ۲۰۶ [۴] خزینۃ الاصفیا جلد اول ۳۵۸
[۵] آئین اکبری جلد سوم ۲۷۰

کی جانب روانہ ہوئے۔[1]

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کا مقولہ

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ دکن کے مشہور بزرگ ہیں ۸۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔[2] آپ کے ایک مرید عبداللہ بن عبدالرحمٰن چشتی نے ایک کتاب عشق نامہ کے نام سے تصوف میں لکھی ہے اور اس میں اپنے مرشد کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔

"مجھ کوں ہوئے سوں خدا کچھ اپڑ نیتا ہے خدا کوں اپڑنے کی استعداد ہور ہے"

قطب عالم گجراتی کے اقوال

سید برہان الدین عبداللہ بن محمود قطب الاقطاب سید جلال الدین حسینیؒ کے پوتے تھے ۷۹۰ھ میں گجرات آ کر پٹن میں سکونت پذیر ہوئے، سلطان احمد (۸۱۴ھ–۸۴۶ھ) نے جب احمد آباد آباد کیا تو پٹن سے احمد آباد تشریف لائے، آپ کے فرزند کا نام سراج الدین سید محمدؒ بن عبداللہ تھا۔ اہل گجرات آپ کو قطب عالمؒ اور فرزند کو شاہ عالمؒ کہا کرتے تھے۔ دونوں بڑے ذی وجاہت[3] اور بلند پایہ بزرگ تھے ۸۵۷ھ میں قطب عالم نے اور ۸۸۰ھ میں شاہ عالمؒ نے انتقال فرمایا ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قطب عالمؒ نماز تہجد کے لئے اٹھے اور صحن میں آئے تو ایک لکڑی سے ٹھیس لگی۔ اس وقت آپ نے فرمایا "کیا

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۹ [2] آئین اکبری جلد سوم ص ۲۱۵

[3] اخبار الاخیار ص ۱۵۶

ہے لوہا ہے، یا لکڑی ہے، یا پتھر"۔ ۱؎

شاہ بارک اللہ چشتیؒ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور احمد آباد میں رہا کرتے تھے، جناب رسالت مآب صلعم نے ایک روز خواب میں شیخ سراج الدینؒ کو بشارت دی کہ تمہارا لقب شاہ عالم ہوگا اور تمہیں اس لقب سے شاہ بارک اللہؒ نامزد کریں گے، شیخ سراج الدینؒ جب شاہ بارک اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دیکھتے ہی شاہ عالم کے خطاب سے مخاطب کیا اور اس روز سے شاہ عالم آپ کا خطاب مشہور ہوگیا، شاہ عالم نے جب اس واقعہ کو اپنے والد قطب عالم سے بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا "چشتیوں نے پکائی اور اسے بخاریوں نے کھائی"۔ ۲؎

شیخ وجیہ الدین گجراتی کے ملفوظات

شیخ وجیہ الدین علوی گجرات کے علمائے کبار اور مشائخین عظام سے ہیں ۹۱۱ھ میں چنپانیر میں پیدا ہوئے ملا عماد الدین طارمی کے شاگرد اور شیخ محمد غوثؒ گوالیاری کے خلیفہ تھے، ۱۹ صفر ۹۹۸ھ کو آپ نے انتقال فرمایا ہے، تفسیر، حدیث فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، بیان و معانی وغیرہ میں جسقدر مشہور اور متداول کتابیں ہیں ان سب پر آپ نے حواشی لکھے ہیں، علاوہ ازیں آپ کی اور بھی بہت سی تصنیفات ہیں، منجملہ ان کے اکثر کتابوں کے نام مولانا آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں لکھے ہیں ۳؎

۱؎ تحفۃ الکرام ص۱۷ ۲؎ تحفۃ الکرام ص۴۸ و ۴۹ ۳؎ منتخب التواریخ ص۴۲ سبحۃ المرجان ص۵۰ اخبار الاخیار ص۲۱۵ میں آپ کا ۹۹۷ھ سال وفات لکھا ہے۔

آپ کے مریدوں نے بحر الحقائق کے نام سے آپ کے ہندی ملفوظات جمع کئے ہیں۔ اس کے چند مقامات ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) کسے گفت کہ میاں شیخ فضل اللہ ترک درس کردند

فرمودند "جب ترقی پکڑیں گے تب آپیں درس کہیں گے۔"

(۲) عزیزے التماس کرد کہ اگر اجازت شود اربعین نشینم

فرمودند "اس سیں ہور کیا خوب ہے، اس دنیا میں دل خدا سوں مشغول ہووے"

(۳) شخصے عرض کرد کہ عارف کرا گویند

فرمودند "عارف اسے کہویں جو خدا سوں بھریا ہووے"

(۴) آپ کا ایک مقولہ ہے۔

اگر کسی کوں تھوڑی بھی صفا ہووے، جو حرام لقمہ کھاوے یا حرام فعل کرے تو تیجے (ایتوقی) باوے، دوجے (دوسرے) وار بھی باوے، تیجے (تیسر) وار بھی باوے

سید ہاشم بیجاپوری کے اقوال

سید شاہ ہاشم علوی، شیخ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے اور شیخ برہان الدین کے فرزند تھے، ابراہیم عادل شاہ جگت گرو (۹۸۷ھ ۱۰۳۵ھ) کے زمانہ میں بیجاپور میں تشریف لائے اور محمد عادل شاہ (۱۰۳۵ھ ۱۰۷۰ھ) کے زمانہ میں ۹ رمضان ۱۰۵۹ھ کو انتقال فرمایا، شاہ مراد بن شاہ جلال نے جو آپ کے مرید خاص تھے آپ اذکار و اشغال اور ہندی ابیات و اقوال جمع کئے اور اس کا نام مقصود

العاشقین رکھا کتاب شاہ صاحب کے چند اقوال ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) ہاشم جی کی سنئے بات جننے رکھی باسی بات
اس کا جاوے ہانتے ہانت

---

(۲) باپ کے اننا دیوے سو پوت باپ نیں دیوے سو سپوت
باپ کا دیا چھینے سو کپوت

---

(۳) دنیا چھوڑے شیخ کہائے یہ حجاب تجھ کھولے نلئے
دبی سنگی سوں یک میدان پیلے جھوٹے دوجے شیطان

شاہ نظام الدینؒ۔ شاہ ہاشم کے مرید خاص تھے، صاحب مقصود العاشقین نے ان کا بھی ایک دوہرہ نقل کیا ہے۔

نظام بندگی کرے تو کیا ہوئے، اول جس کا نین دل صفا
جامہ سونڈے میں ڈب رہا، اسے خوشبو لگائے تو کیا نفا

ہندوؤں کی زبان کے نمونے

اوپر جو کچھ مذکور ہوئے ہیں، وہ مسلمانوں کی زبان کے نمونے تھے۔ اب ہندوؤں کی زبان کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے،

کبیر داس بنارس کے رہنے والے۔ گرو راما نند کے چیلے اور ہندوؤں

کے مشہور موحد گزرے ہیں، سلطان بہلول (۸۹۴ھ سے ۸۹۴ھ) اور سکندر لودھی (۸۹۴ھ سے ۹۲۳ھ) کے معاصر تھے ۸۴۰ھ کے قریب پیدا ہوئے اور ۹۲۴ھ میں فوت ہوئے، گورکھپور کے قریب مگہر میں مسلمانوں نے ان کا مقبرہ بنایا ہے ذوالفقار اردستانی نے دبستان المذاہب میں ان کے حالات لکھے ہیں۔
کبیر کے دوہے بھی برج بھاشا میں ہیں، لیکن اس زبان میں نہیں ہیں جو تحریر کے لئے مخصوص تھی بلکہ ان کی زبان وہ ہے جسے روزمرہ کی بول چال میں ہندو استعمال کرتے تھے اس میں اور مسلمانوں کی زبان میں صرف یہ فرق تھا کہ مسلمان عربی فارسی الفاظ ملاتے تھے اور اس کے برخلاف ہندوؤں کی زبان میں سنسکرت الفاظ کی کثرت ہوا کرتی تھی۔

ایسا کوئی نہ ملا جاسوں رہیئے لاگ   سب جگ جلتا دیکھا اپنی اپنی آگ

سکھ میں سمرن نا کیا، دکھ میں کیا یاد   کہیں کبیر تا داس کی کون سنے فریاد

نینوں کی کر کوٹھری پلنگ بچھائے   پلکوں کی چق ڈال کے پیا کو لیا رجھائے

غوطہ مارا سندھ میں موتی لائے پیٹھ   وہ کیا موتی پائیں گے جو رہے کنارے بیٹھ

سیج بچھاوے سندری انتر پردا ہووے   تن سونپے من دے نہیں خصم خوشی کیوں ہوئے

کبیرا لوہا ایک ہے گڑھ نے کا ہے پھیر   لوہے سے بکتر بنے لوہے سے شمشیر

کبیر شتر پر سر لئے ہے کیوں سوئے سکھ چین
کوچ نقارا سانس کا باجت ہے دن رین

کبیر سے پہلے اور ان کے بعد ہندی کے اور بھی شاعر گزرے ہیں، مثلاً سور داس (۹۹۰ھ)، تلسی داس (۱۰۲۳ھ) وغیرہ لیکن ان کی اور کبیر کی زبان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، اس لئے ہم نے قلم انداز کر دیا ہے

نویں صدی سے پہلے اردو کی وسعت

اوپر کے اقتباسات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نویں صدی تک اردو زبان، ہندوستان میں رائج ہو گئی تھی، اور بالخصوص دوآب، دکن اور گجرات میں جسے تاریخ کی رو سے ہندوستان اسلامی کہنا چاہیئے، عام طور پر بولی جاتی تھی، اس زبان میں نہ صرف عوام الناس ہی بات کرتے تھے بلکہ علماء اور مشائخین کے وعظ و تذکیر بھی اسی زبان میں ہوا کرتے تھے۔

اردو ہندوستان سے باہر

آٹھویں اور نویں صدی میں ہندوستان کے بہت سے علما مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے تھے، علاوہ ان کے ہر سال سینکڑوں مسلمان ہندوستان سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے جاتے اور کئی سال وہاں رہ کر واپس آتے تھے، ان کی رہائش کے لئے ان مقامات میں بڑے بڑے رباطات بنے ہوئے تھے، اور ان کے اخراجات کے لئے ہندوستان کی سلطنتیں لکھو کھا روپیہ بھیجا کرتی تھیں ان رباطات کے انتظامات عربوں کے ہاتھ میں تھے اور انہیں ہر وقت ہندوستانیوں سے سابقہ رہتا تھا، اس لئے انہوں نے اردو بولنا سیکھ لیا تھا، ان سے علاوہ ان مقامات کے اکثر تجار بھی ہندوستانیوں

کے میل جول کے باعث اردو میں گفتگو کرنے کے عادی ہوگئے تھے۔[۱]
شیخ عبدالوہاب متقی، ہندوستان کے ایک مشہور عالم ہیں
مالوہ آپ کا وطن تھا، گجرات، دکن، سراندیپ کی سیاحت کرتے ہوئے
۹۶۳ھ میں مکہ معظمہ پہنچے، مولانا علی متقی جو برہان پور کے باشندے
اور علوم شرعیہ کے زبردست عالم اور ولی کامل تھے، آپ سے بہت
پہلے مکہ معظمہ میں جا کر سکونت پذیر ہوگئے تھے شیخ عبدالوہاب مولانا
کے مریدوں میں شامل ہوگئے اور بارہ سال خدمت میں حاضر
رہ کر تفسیر حدیث فقہ اور دیگر علوم شرعیہ میں کمال حاصل کیا ۹۷۵ھ
میں جب مولانا کا انتقال ہوا تو انتقال کے روز مولانا نے شیخ
عبدالوہاب کو اپنا خلیفہ وجانشین قرار دیا، اس کے شیخ عبدالوہاب
چھتیس سال مکہ معظمہ میں زندہ رہے، اور مولانا کی طرح حدیث
وفقہ اور دیگر علوم شرعیہ کا درس جاری رکھا ۱۰۰۱ھ میں بمقام
مکہ معظمہ آپ فوت ہوئے۔

حرم کعبہ میں بزبان اردو علوم دینیہ کا درس

شیخ کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ آپ حرم شریف میں تشریف رکھتے اور درس کے لئے طلبہ جمع ہوتے
اس کے عربوں کو عربی میں عجمیوں کو فارسی میں، ہندیوں کو اردو
میں درس دیا کرتے۔

۱؎ یہ واقعات آثار المدینہ، زاد المتقین، جذب القلوب اور اخبار المکہ
سے اخذ کیے گئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو مولانا علی متقی کے صحبت یافتہ اور شیخ عبدالوہاب متقی کے خلیفہ و جانشین ہیں ان دونوں بزرگوں کے حالات میں ایک کتاب ۱۰۰۳ھ میں لکھی ہے اور اس کا نام زاد المتقین الی طریق سلوک الیقین رکھا ہے اس میں شیخ عبدالوہاب کا طریقہ درس اس طرح مذکور ہے۔

"طریقہ ایشاں در تعلیم و تدریس علم آنست کہ اگر کسے از علوم دینیہ چیزے طلب کند او را درس بگویند، ہر علمی کہ باشد، اما اگر از تفسیر و حدیث و تصوف بخوانند خوش حال تر و راضی تر باشند و بعد از مفید شدن بدرس در تحقیق و تشخیص مبالغہ نہ کنند مہما امکن در تفتیش و تغیر حواشی و شرح کد نمایند و ہمت تمام مصروف بایں جانب سازند و سخن را مجمل نہ گزارند چنانکہ طالب علم را تشفی تمام حاصل آید بے آنکہ تعلق و تشدق لسانی درمیان باشد و باہر کس بزبان او سخن کنند و با ہندیاں در تقریر فارسی تکلف نکنند و ہم بہ زبان ہندی اکتفا فرمایند۔ اگر حین درس شخصے عجمی یا عربی حاضر شود بجہت وے تقریر را تغیر ندہند و بقصد استماع وے سخن غریب را از جنس حقائق و دقائق اعادہ و تکرار نہ کنند۔ مگر آنکہ چیزے بپرسد و در استفادہ مشارکت نماید و ہماں مقدار برانداز ہ سوال بزبان وے سخن کنند و جواب گویند سالہا در حرم شریف ایں علوم را درس گفتہ اند۔"

(۶)

امیر خسرو اور اردو زبان ساتویں صدی کی اردو کا بہترین نمونہ حضرت امیر خسروؒ کی نظمیات ہیں ان سے نہ صرف اس عہد کی زبان کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت جو زبان رائج تھی وہ موجودہ زبان سے زیادہ غیر مانوس نہیں تھی۔

حضرت امیر خسروؒ ۶۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹ ذیقعدہ ۷۲۵ھ کو انتقال فرمایا، سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ - ۶۸۰ھ) کے عہد سے سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ - ۷۵۲ھ) تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا، ان میں سے سات بادشاہوں کی ملازمت کی دہلی میں رہا کرتے تھے، لیکن ملازمت کی تقریب سے ملتان اور بنگالہ میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا، تقی اوحدی نے اپنے تذکرہ میں (جو ۱۰۲۴ھ میں تمام ہوا ہے)، لکھا ہے کہ حضرت امیر خسروؒ کا ہندی کلام فارسی کلام سے بہت زیادہ ہے، لیکن اوحدی کا یہ بیان اس وقت ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے، زمانہ کے ناقدرہا انھوں نے اس تمام ذخیرے کو تباہ برباد کر دیا، تھوڑا سا حصہ جو زمانہ کی دست برد سے بچ گیا ہے وہ بھی اب تک پردۂ خفا میں مستور ہے۔

شاہان اودھ کے کتب خانوں میں جو موتی محل اور توپخانہ میں تھے حضرت امیر خسروؒ کے دو سو چیستان موجود تھے اور ان کے علاوہ ایک مجموعہ

میں ان کا متفرق کلام جمع تھا جس میں فارسی آمیز غزلیں اور ریکھتیاں وغیرہ تھیں ان دونوں مجموعوں کو ڈاکٹر اسپرنگر نے دیکھا تھا اور ان کے متعلق ایک مضمون بھی لکھا تھا جو ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا ہے۔

حضرت امیر خسروؒ کا فارسی آمیز کلام

حضرت امیر خسروؒ کا فارسی آمیز کلام نہایت کمیاب ہے اس وقت تک دو غزلیں اور دو متفرق شعر دستیاب ہوئے ہیں، جو ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

زحال مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجر دراز چوں زلف و روز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آئیں نہ بھیجیں پتیاں
بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا غریب خسروؔ
سپیت من کے ورائے راکھوں جو جانے پاؤں پیا کے کھتیاں

—— ~ ——

خوار شدم زار شدم لٹ گیا | در غم ہجر تو کمر ٹوٹا ہے
یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من | بے گنہ ہم ساتھ عجب روٹا ہے

روئے تو رونق شکنِ آفتاب ‏ سرو بہ پیش قد بوٹہ ہے
گاہ ز خسرو تو نہ گفتہ کہ بیٹھ ‏ وہ چہ کند بھاگ مرا چھوٹہ ہے

زرگر پسرے چو ماہ پارا ‏ کچھ گھڑیے سنوا ریے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست ‏ پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

حضرت امیر خسروؒ کے چیستان

حضرت امیر خسروؒ کے حسب ذیل چیستان ڈاکٹر ایر نگر کے مضمون سے ماخوذ ہیں۔

حمد الٰہی

سب کوئی اس کو جانے ہے ‏ پر ایک نہیں پہچانے ہے
آٹھ دھڑی میں لیکھا ہے ‏ فکر کیا ان کو دیکھا ہے

خربزہ

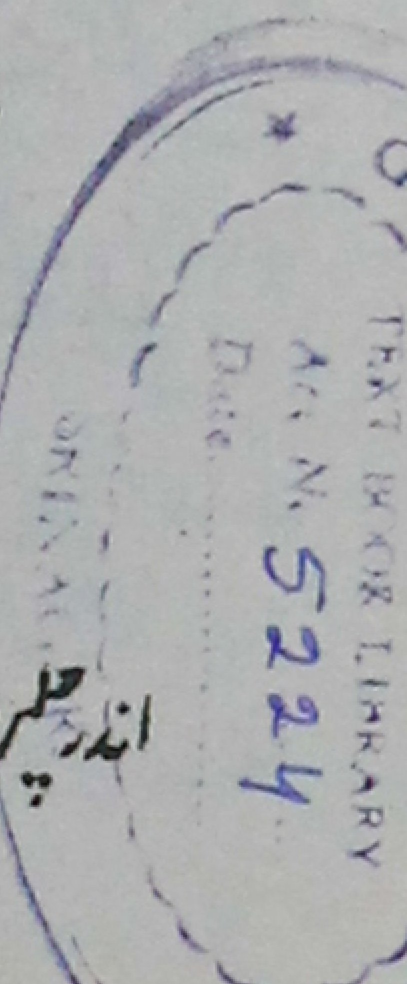
دس ناری کا ایک ہی نر ‏ بستی باہر وا کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم ‏ منھ میٹھا تاثیر گرم

چراغ

بالا تھا جب سب کو بھایا ‏ بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس کا ناؤں ‏ بوجھے نہیں تو چھوڑ دو گاؤں

قینچی

اندر چلمن باہر چلمن بیچ کلیجہ دھڑکے ‏ امیر خسرو یوں کہیں وہ دو دو انگل سرکے



کاجل

جل کر بنے جل میں رہے
آنکھوں دیکھا خسرو کہے

بئے کا گھونسلہ

ایک انوکھا گرہ بنایا
اوپر نیو نیچے گھر چھایا
بانس نہ بلّی، بندھن گھنے
کہو خسروؔ گھر کیسے بنے

فارسی لغات اور ان کے اردو مترادفات

آٹھویں صدی سے دسویں صدی تک شمالی ہندوستان میں فارسی زبان کے چار مشہور و مستند لغات لکھے گئے ہیں (۱) ان میں سب سے قدیم محمد بن قوام بن رستم بلخی کی بحر الفضائل فی منافع الافاضل ہے، جو ۷۹۵ھ سے پہلے تصنیف ہوئی ہے اس کی دو جلدیں ہیں پہلی جلد میں فارسی کے عام الفاظ ہیں، ان کے ضمن میں اکثر الفاظ کے ہندی مترادف بیان کئے ہیں، دوسری جلد کے چودھویں باب میں ان ہندی الفاظ کو جمع کیا ہے جو ہندی نظموں میں آئے ہیں، یہ باب ادبیات اردو کی ابتدائی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف کے وقت آٹھویں صدی کے اخیر ایام میں مسلمان فارسی کے علاوہ عام طور پر ہندی زبان بولتے تھے اور اس زمانہ میں اس میں نظمیں بھی لکھی گئی تھیں اور وہ اس قدر مقبول و مشہور تھیں کہ مصنف کو ان کا لغت فارسی میں مدون کرنے کی ضرورت پیش آئی۔[1]

---

[1] بحر الفضائل اور اس کے مصنف کی نسبت ہم نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جو رسالہ زمانہ بابت مارچ ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا ہے۔

(۲) بحر الفضائل کے بعد آداث الفضلا ہے اس کو قاضی خاں ملا نذر محمد دہلوی نے امیر تیمور کی یورش کے بیس سال بعد ۸۲۲ھ میں مرتب کیا ہے (۳) اس کے تئیس سال بعد قوام الدین ابراہیم فاروقی نے ایک ضخیم لغت مدون کیا اور اسے اپنے مرشد شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کے نام پر اس کا نام شرف نامہ رکھا یہ کتاب بنگالہ میں سلطان رکن الدین باربک شاہ بن ناصر الدین محمود کے زمانہ میں ختم ہوئی ہے، باربک شاہ ۸۶۲ھ سے ۸۷۹ھ تک بنگالہ میں حکمراں رہا ہے (۴) اس کے بعد شیخ لاد دہلوی المتوفی ۹۲۵ھ نے سلطان ابراہیم لودھی کے زمانہ میں مؤید الفضلا، کو مرتب کیا، یہ آخر الذکر لغات پہلے کے دونوں لغات سے زیادہ مبسوط اور ضخیم ہے۔

ان تینوں مصنفین نے اکثر مقامات پر فارسی عربی الفاظ کے معنی بیان کرتے ہوئے ان کے ہندی مترادفات بھی بیان کئے ہیں اور مؤید الفضلا، نے اس کا التزام خصوصیت سے کیا ہے اس کتاب میں ایسے فارسی الفاظ کم و بیش (۱۰۷) ہیں جن کے معنی اردو الفاظ میں بیان کئے ہیں اور اس تقریب میں اس کتاب میں جو اردو الفاظ آگئے ہیں ان کی تعداد کم و بیش (۸۰۰) ہے۔

یہ تمام الفاظ قریب قریب ایسے ہیں جو اس وقت بھی ہماری زبان میں موجود اور عام طور پر بولے جاتے ہیں۔

سلطنت بہمنیہ
۷۴۸ھ تا ۹۳۲ھ

(۱) علاء الدین بہمن شاہ	۷۴۸ھ تا ۷۵۹ھ
(۲) محمد شاہ بن بہمن شاہ	۷۵۹ھ تا ۷۷۶ھ
(۳) علاء الدین مجاہد شاہ	۷۷۶ھ تا ۷۸۰ھ
(۴) داؤد شاہ	۷۸۰ھ
(۵) محمد شاہ [1]	۷۸۰ھ تا ۷۹۹ھ
(۶) غیاث الدین	۷۹۹ھ
۷. شمس الدین داؤد شاہ ثانی [2]	۷۹۹ھ تا ۸۰۰ھ
۸. تاج الدین فیروز شاہ	۸۰۰ھ تا ۸۲۵ھ
۹. شہاب الدین احمد شاہ اول	۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ
۱۰. علاء الدین احمد شاہ ثانی	۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ
۱۰ علاء الدین ہمایوں شاہ	۸۶۲ھ تا ۸۶۵ھ

---

[1] فرشتہ نے اس کا نام محمود شاہ لکھا ہے لیکن سکہ جات محمد شاہ مسکوک ہے۔ تھامس کرانیکلز صفحہ ۳۴۲

[2] سکوں پر اس کا لقب داؤد شاہ تحریر ہے، نیومسماٹک سپلیمنٹ نمبر ۱۱، آرٹیکل ۳۲ نمبر ۶ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۲

۱۲۔ احمد شاہ ثالث[1]	سنہ ۸۶۵ھ تا ۸۶۷ھ
۱۳۔ شمس الدین محمد شاہ ثالث	سنہ ۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ
۱۴۔ محمود شاہ	سنہ ۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ
۱۵۔ احمد شاہ رابع	سنہ ۹۲۴ھ تا ۹۲۷ھ
۱۶۔ علاء الدین	سنہ ۹۲۷ھ تا ۹۲۹ھ
۱۷۔ ولی اللہ	سنہ ۹۲۹ھ تا ۹۳۲ھ
۱۸۔ کلیم اللہ	سنہ ۹۳۲ھ

سلطنت بہمنیہ کا بانی ایک عالی خاندان امیر تھا

ملک ہزبر الدین ظفر خان، سلطان علاء الدین خلجی کے دربار کا امیر الامرا اور اقطاع سمانہ و پنجاب و ملتان کا گورنر تھا سنہ ۶۹۷ھ میں جب مغولان ماوراء النہر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو ان کی مدافعت کرتا ہوا[2] عین معرکہ میں شہید ہوا اس کے دو بھانجے تھے علی شاہ اور حسن بہمنی[3] یہ دونوں سلطان محمد تغلق کے امرائے صدہ میں شامل تھے، اور انہیں سلطان نے اپنے استاد قتلغ خاں کے ہمراہ دکن میں روانہ کیا تھا، سنہ ۷۴۶ھ میں علی شاہ محصول سلطانی وصول کرنے کے لئے گلبرگہ میں آیا اور جب اس علاقہ کو عمالان سلطانی سے خالی پایا تو لوٹ مار شروع کردی

---

[1] مورخین نے اس کا نام نظام شاہ اور اس کا زمانہ حکومت سنہ ۸۶۵ھ تا سنہ ۸۶۷ھ بتایا ہے، لیکن جو سکے سنہ ۸۶۵ھ سے سنہ ۸۶۷ھ تک مضروب ہوئے ہیں ان پر بادشاہ کا نام احمد شاہ [illegible] ص ۲۶۹

[2] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۵۹ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۰۴ [3] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۸

[4] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۸۸ ابن بطوطہ جلد دوم ص ۱۸۵ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۹

قتلغ خاں نے اس پر چڑھائی کی، بعد میں لڑائی ہوئی قتلغ خان نے اسے قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیجدیا، بادشاہ نے قصور معاف کر کے غزنین کی طرف جلاوطن کر دیا۔[۱]

دکن کی بغاوت اور سلطنت بہمنیہ کا قیام

علی شاہ کی بغاوت کے کچھ ہی عرصہ بعد امرائے دکن نے باہم اتفاق کر کے سلطان کے خلاف بغاوت برپا کر دی، گروہ کثیر نے اسمٰعیل مغ کو جو دو ہزاری امیر تھا سلطان ناصر الدین کا خطاب دے بادشاہ بنالیا، دوسرے امرا بھی ملک کے مختلف حصوں میں خود سر ہو گئے حسن بہمنی نے ظفر خاں کا خطاب اختیار کر کے ہیکری، رائے باغ، مرچ، کلبر، گلبرگہ وغیرہ مقامات پر قبضہ کر لیا اس کے بعد عمالان سلطانی سے لڑائیاں شروع ہوئیں، دو سال تک بازار کارزار گرم رہا، ۷۴۸ھ میں باغیوں کو غلبہ حاصل ہوا لشکر سلطانی ہزیمت اٹھا کر فرار ہو گیا، اس فتح کی خوشی میں باغیوں کے تمام سردار دولت آباد کے پاس جمع ہوئے اور چودہ روز تک عیش و عشرت کے جشن مناتے رہے،

سلطنت بہمنیہ کا پہلا بادشاہ

اسی اثنا میں امیر ناصر الدین اسمٰعیل نے بادشاہت کے لئے حسن بہمنی کو پیش کیا اور تمام امرا نے اتفاق کر کے ۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ کو حسن کے سر پر تاج شاہی رکھا اور دولت آباد کی جامع مسجد میں جس کو سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے تعمیر کرایا تھا اس کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔[۲]

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی ص۴۸۲ ابن بطوطہ جلد دوم ص۱۸۵ تاریخ فرشتہ جلد اول ص۱۳۹
[۲] تاریخ فرشتہ جلد اول ص۲۷۷

حسن بہمنی نے بادشاہ ہونے کے بعد سلطان علاء الدین بہمن شاہ اپنا لقب اختیار کیا اور گلبرگہ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کرکے اسے اپنا دار الحکومت بنایا، اس کی حکومت برار سے تلنگانہ اور کرشنا سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی، زمانۂ بعد میں اس کے جانشینوں کی سعی و کوشش سے مملکت میں اور بھی وسعت ہوئی علاء الدین احمد شاہ نے کوکن کو فتح کیا، شاہان گجرات و خاندیس کو شکست دی محمد شاہ کے زمانہ میں اوڑیسہ اور کانچی ورم مسخر ہوئے، بلگاؤں کے راجہ نے ہزیمت پائی، ان فتوحات سے بہمنیوں کی سلطنت ایک سمندر سے شروع ہو کر دوسرے سمندر تک وسیع ہو گئی، بیجانگر کے راجہ بہمنیوں کے مدمقابل تھے، دونوں کی عملداری کرشنا پر ملی ہوئی تھی، ان میں ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے اور بہمنیوں کے لشکر جب بیجانگر چلے جاتے تو یہاں کے راجہ باج و خراج ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

سلاطین بہمنیہ کے مشاغل علمیہ

سلطنت بہمنیہ کے اکثر بادشاہ ذی علم اور علم و فن کے قدر دان تھے، محمد شاہ ثانی (سنہ ۷۸۰ھ تا سنہ ۷۹۹ھ) شاعر تھا اور عربی فارسی خوب بولتا تھا میر فیض اللہ انجو جو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد تھے اس کے دربار میں عہدۂ صدارت پر مامور تھے اسی بادشاہ نے خواجہ حافظ کو شیراز سے دکن میں بلوایا تھا لیکن خواجہ صاحب نے بحری سفر سے خائف ہو کر آنے سے انکار کر دیا، بادشاہ

نے ازراہ قدردانی ایک ہزار تنکہ طلائی ان کے یہاں روانہ کئے۔
فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ ۔ ۸۲۵ھ) بھی زبردست عالم تھا تفسیر اصول، اور حکمت طبعی و نظری میں ید طولیٰ رکھتا تھا عروجی اور فیروزی تخلص کرتا تھا، علم ہیئت سے اسے بڑی دلچسپی تھی ۸۱۰ھ میں بمقام دولت آباد ایک رصد گاہ تعمیر کرائی تھی اور تحقیقات فلکی کے لئے محمود گاذرونی اور حسن گیلانی جیسے نامور علما، مامور کئے تھے خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اسی کے زمانہ میں گلبرگہ تشریف لائے تھے۔
احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ ۔ ۸۳۸ھ) کے دربار میں بڑے بڑے علما، جمع تھے، مثلاً ملا عبد الغنی مفتی نجم الدین اور شیخ آذری وغیرہ، آذری مرزا شاہ رخ کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ حج بیت اللہ کے بعد دکن میں آیا اور ایک مدت تک احمد شاہ کے دربار میں رہا، بادشاہ کی فرمائش سے سلاطین بہمنیہ کے حالات منظوم کئے اور بہمن نامہ اس کا نام رکھا احمد شاہ کے زمانے تک حالات منضبط ہو گئے تو آذری نے وطن جانے کی اجازت حاصل کی اور بادشاہ نے ساٹھ ہزار تنکہ طلائی زاد راہ کے لئے عطا کئے، بہمن نامہ ادھورا رہ گیا تھا، ملا نظیری سامعی وغیرہ نے اسے بعد میں پورا کیا اور انقراض دولت بہمنیہ تک حالات کو بڑھا کر کتاب کو ختم کر دیا۔
محمود گاواں محمد شاہ ثالث (۸۶۷ھ ۔ ۸۸۷ھ) کا وزیر تھا ایک بڑا ذی علم اور فیاض آدمی تھا، علوم معقول و منقول میں کافی دستگاہ

رکھتا تھا، سید العلما، سلامت اللہ اوحدی، شمس الدین سامی عبدالکریم ہمہ انی، ملا نظیری، اس کے ندیمان دربار سے تھے مشہور شاعر ملا عبدالرحمٰن جامی کو اس نے بیدر میں بلوایا تھا، لیکن انہوں نے آنے سے معذرت کی اور ایک مطول قصیدہ اس کی مدح میں لکھ کر بھیجدیا، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

مرحبا اے قاصد ملک معانی مرحبا　　الصلا کز جان و دل نزل تو کردم الصلا

انقراض سلطنت بہمنیہ

سلاطین بہمنیہ کم و بیش ڈیڑھ سو سال نہایت کامیابی کے ساتھ برسر حکومت رہے، اس کے بعد انحطاط شروع ہوا، محمود شاہ کے زمانے سے صوبہ داروں نے خودسری شروع کردی سنہ ۹۳۲ھ میں بہمنیوں کے نام کا خاتمہ ہوگیا اور اس ایک سلطنت کے بجائے ملک میں پانچ سلطنتیں قائم ہوگئیں، برار میں عماد شاہی احمد نگر میں نظام شاہی، بیدر میں برید شاہی، بیجاپور میں عادل شاہی، گولکنڈہ میں قطب شاہی۔

سلطنت بہمنیہ کے مختلف باشندے اور ان کی زبانیں

سلطنت بہمنیہ میں جو مسلمان آباد تھے مورخ فرشتہ نے ان کے تین گروہ بیان کئے ہیں۔

(۱) دکنی۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو سلطان علاءالدین خلجی کے زمانہ میں یا اس کے بعد عساکر اسلامی کے ساتھ ہندوستان سے آکر دکن میں آباد ہوئے اور یہاں ان کی دو تین پشتیں گزر گئیں، یہ لوگ دکنی اردو بولتے تھے۔

(۲) غریب پردیسی، یعنی وہ لوگ جو ترکستان و ایران سے وقتاً فوقتاً آکر دربار میں توسل پیدا کرتے تھے وہ لوگ زیادہ تر ترک افغان اور ایرانی سید تھے ان کی زبان بالعموم فارسی تھی۔

(۳) حبشی یہ لوگ حبش یعنی ابی سینا کے باشندے تھے اور یمن کے راستے سے دکن میں آئے تھے اور ان کی بہت بڑی جماعت یہاں آباد ہوگئی تھی۔ یہ لوگ عربی اور حبشی دونوں زبانیں بولتے تھے

ملک کے اصلی باشندے ان کے علاوہ تھے۔ سلطنت کے شمال مغربی علاقوں میں مرہٹے آباد تھے، جنوب مشرق میں کنڑی اور تلنگی بولنے والوں کی بستیاں تھیں دولت آباد، گلبرگہ اور بیدر جو سلطنت بہمنیہ کے مرکز حکومت تھے ملک مرہٹ میں واقع تھے اور یہاں کے باشندوں کی زبان مرہٹی تھی، یہ زبان جیسا کہ ہم نے ابتدا میں بیان کیا ہے خالص آرین زبان نہ تھی بلکہ آرین اور دراوڑین زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی،

سلطنت بہمنیہ کی عام زبان دکنی تھی۔

غریبوں کے مقابلہ میں دکنیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اسی اعتبار سے عربی اور فارسی کے مقابلہ میں ان کی زبان کو بھی ملک میں بہت زیادہ رواج حاصل تھا، دکنیوں کی زبان اردو سے کوئی جداگانہ زبان نہ تھی، بلکہ یہ وہی زبان تھی جسے مسلمان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں اور اس کے بعد ہندوستان سے اپنے ساتھ لائے تھے لیکن امتداد زمانہ کے باعث آب و ہوا کے اثرات اور دیگر زبانوں کے اختلاط اور مقامی باشندوں کے ربط و ضبط نے اس میں بتدریج فرق پیدا کر دیا اور یہ

فرق سو سال کے اندر اس قدر نمایاں ہوا کہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے بآسانی ممیز ہونے لگیں، اس زمانے سے یہ دونوں زبانیں دو علیحدہ علیحدہ ناموں سے نامزد ہوگئیں، ہندوستان کی زبان اردو اور دکن کی زبان دکھنی کہلانے لگی۔

عہد بہمنیہ کے دکھنی مصنف

اردو زبان ہندوستان میں صدیوں تک محض بات چیت اور لین دین تک محدود رہی برخلاف اس کے دکھنی زبان نے دکن میں بہت جلد ادبی صورت حاصل کی اور آٹھویں صدی ہجری سے اس میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا، اس وقت تک دکنی زبان کی جس قدر تصنیفات معرض تحقیق میں آئی ہیں، ان میں شیخ عین الدین گنج العلم، کے رسالے قدیم ثابت ہوئے ہیں۔

شیخ عین الدین گنج العلم اور ان کی دکھنی تصنیفات

شیخ عین الدین گنج العلم۔ دکن میں ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں آپ ۷۰۶ھ میں نئی دہلی میں پیدا ہوئے۔ وطن سے نکل کر گجرات وغیرہ میں تحصیل علم کرتے ہوئے دولت آباد میں آئے، اس وقت یہ شہر سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) کا دارالسلطنت تھا اور یہاں بڑے بڑے اکابر و شیوخ جمع ہوگئے تھے، مثلاً سید خوند میر علاء الدین حسینی جیوری جو دہلی کے اکابر اولیا سے تھے، شیخ شمس الدین لاہمانی جنہوں نے شیخ بہاء الدین زکریا سے فیض حاصل کیا تھا، شیخ منہاج الدین تمیمی الانصاری

وغیرہ شیخ عین الدین، سید خوند میر کے مرید ہوئے، شیخ شمس الدین سے
علوم دینیہ کی تکمیل کی، شیخ منہاج الدین سے فیض روحانی حاصل کیا
اس کے بعد ٧٣٦ھ میں عین آباد ساگر میں تشریف لائے اور یہاں ایک
دراز مقیم رہنے کے بعد ٧٧٣ھ میں بیجاپور آئے، دکن میں سلطان علاء الدین
حسن بہمن شاہ (٧٤٨ھ ٧٥٩ھ) اور اس کے چار جانشینوں کا زمانہ
دیکھا اور نواسی سال کی عمر میں سلطان محمد شاہ ثانی (٧٨٠ھ ٧٩٩ھ)
کے عہد میں ٢٧ رجمادی الاول ٧٩٥ھ کو انتقال فرمایا، آپ نے علوم متداولہ
میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور تذکروں میں ان کی تعداد (١٣٢)
ایک سو بتیس تحریر ہے ؎۱

قاضی منہاج الدین جوزجانی کی طبقات ناصری فارسی میں ایک مشہور
تاریخ ہے، اس میں سلطان ناصر الدین محمود (٦٤٤ھ ٦٦٤ھ) تک سلاطین
ہندوستان کے حالات تحریر ہیں۔

شیخ عین الدین نے اس کا تکملہ لکھا ہے اس میں اپنے زمانہ تک
کے حالات قلمبند کئے ہیں، مورخ فرشتہ نے اسے دیکھا تھا، اپنی تاریخ
میں اس سے مضامین اخذ کئے ہیں اور اس کا نام ملحقات طبقات
ناصری لکھا ہے۔ ؎۲

اطوار الابرار کے نام سے آپ کی ایک اور تصنیف مشہور ہے اس

؎۱ روضۃ الاولیائے بیجاپور ص٢٧ سلسلہ آصفیہ جلد ہشتم ص٥٦٦

؎۲ تاریخ فرشتہ جلد اول ص١٧

میں آپ نے اکابر اولیا کے حالات و مقالات تحریر کئے ہیں۔
آپ نے چھوٹے چھوٹے کئی رسالے دکھنی زبان میں تصنیف کئے تھے، منجملہ ان کے تین رسالے ایک مجموعہ میں کالج قلعہ سینٹ جارج کے کتب خانہ میں موجود تھے ان کے اوراق کی مجموعی تعداد چالیس تھی اور ان میں فرائض و سنن کے متعلق مختلف احکام و مسائل تحریر تھے

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو درازؒ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے اعاظم خلفا سے تھے، آپ ۸۱۵ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں دہلی سے گلبرگہ میں تشریف لائے اور سلطان احمد شاہ کی تخت نشینی کے ایک ماہ بعد ۱۶/ ذی القعدہ ۸۲۵ھ کو انتقال فرمایا، علم تصوف میں آپ کی ۳۰ سے زیادہ تصنیفات ہیں آپ نے ملتقط کے نام سے کلام اللہ کی ایک تفسیر لکھی ہے اور سلوک کے مسائل اس میں بیان کئے ہیں، علامہ زمخشری کی کتاب الکشاف پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے، شیخ محمد اسحاق الکلابازی المتوفی ۳۸۰ھ کی کتاب التعرف شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی ۶۳۲ھ کی کتاب العوارف شیخ عبد الکریم القشیری المتوفی ۴۶۵ھ کا رسالہ شیخ محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ کی کتاب الفصوص تصوف کی اعلیٰ ترین تصنیفات ہیں، خواجہ صاحب نے ان پر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شرحیں لکھی ہیں ان کے علاوہ آپ کی تصنیفات سے کتاب الاسمار ایک نہایت مشہور کتاب ہے، اس میں تصوف کے

اسرار و حقائق تحریر ہیں

خواجہ صاحب نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو علم تصوف اور حدیث اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے گاہے درس میں کلام اور فقہ کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں[۱] جو لوگ عربی اور فارسی سے ناواقف تھے ان کے سمجھانے کے لئے آپ دکنی میں تقریر فرماتے تھے اور ایسے مریدوں فرمائش پر آپ نے چھوٹے

حضرت خواجہ بندہ نواز کی دکنی تصنیفات

چھوٹے متعدد رسالے دکنی میں تصنیف فرمائے تھے، منجملہ ان معراج العاشقین اور ہدایت نامہ زیادہ مشہور ہیں اور عشق نامہ میں ان کا کئی جگہ تذکرہ آیا ہے

رسالہ ہفت اسرار

خواجہ صاحب نے دکنی زبان میں سات مقولے ارشاد فرمائے تھے، آپ کے ایک مرید نے ان کی ایک بسوط شرح لکھی اور اس کا نام ہفت اسرار رکھا۔

نشاط العشق کا دکھنی ترجمہ

سید محمد عبد اللہ حسینی حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے نبیرہ تھے اور سلطان احمد شاہ ثانی کے زمانہ میں گزرے ہیں آپ غوث اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے رسالہ نشاط العشق کا دکھنی میں ترجمہ کیا تھا اور اس کی شرح لکھی تھی۔ اس کا ایک نفیس نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا۔[۲]

---

[۱] روضۃ الاولیا صد ۲۳

[۲] فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان صد ۱۸۴

ملا نظیری | بہمنیوں کے عہد میں اردو شاعری کا کیا حال تھا، اس کا پتہ چلانا دشوار ہے، صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دارالحکومت جس وقت حسن آباد گلبرگہ سے احمد آباد بیدر میں منتقل ہوا تو ان کے دربار میں اردو شعر و سخن کو رواج ہو گیا تھا۔ بیدر کے پانچویں بادشاہ سلطان محمد شاہ ثالث (۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ) کے عہد میں محمد تقی نام فارسی کا ایک زبردست شاعر گزرا ہے اس کا تخلص نظیری تھا، اور اس نے ملا آذری اسفراینی کے بہمن نامہ کا تکملہ لکھا[۱] اور ہمایوں شاہ بہمنی کے مارے جانے پر جو تاریخ کہی ہے وہ بھی نہایت مشہور رہی[۲] اور اسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے۔

ہمایوں شاہ مرد و دور خوش گشت ۔۔۔ تعالی اللہ زہی مرگ ہمایوں
جہاں پر ذوق شد تاریخ مرگش ۔۔۔ ہم از "ذوق جہاں" آرید بیروں

نظیری اردو میں بھی کہا کرتا تھا، ملا محمود بن ابراہیم بیدری نے معدن الذہب کے نام سے ایک کتاب سلطان محمود شاہ بہمنی (۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ) کے عہد میں لکھی ہے جس میں علماء و فضلاء، اور شعراء، و ادبا کے لطائف و ظرائف مذکور ہیں، اس میں ایک لطیفہ کو بیان کرتے ہوئے مصنف نے نظیری کا حسب ذیل ہندی شعر بھی نقل کیا ہے[۳]

دیں شیخ و برہمن نے کیتا یار فراموش
ہن تسبی فراموش ہن زنار فراموش

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۳۲۶ ۔ [۲] خزانہ عامرہ ص ۲۲
[۳] ہفت اقلیم ص ۶۵۔

سلطنت گجرات

سنہ ۷۹۹ھ — سنہ ۹۸۰ھ

۱. مظفر شاہ اول	سنہ ۷۹۹ھ	سنہ ۸۱۴
۲. احمد شاہ اول	سنہ ۸۱۴	سنہ ۸۴۶
۳. محمد شاہ اول	سنہ ۸۴۶	سنہ ۸۵۵
۴. قطب الدین احمد شاہ	سنہ ۸۵۵	سنہ ۸۶۳
۵. داود شاہ	سنہ ۸۶۳	
۶. محمود شاہ اول	سنہ ۸۶۳	سنہ ۹۱۷
۷. مظفر شاہ ثانی	سنہ ۹۱۷	سنہ ۹۳۲
۸. سکندر شاہ	سنہ ۹۳۲	
۹. محمود شاہ ثانی	۹۳۲	
۱۰. بہادر شاہ	سنہ ۹۳۲	سنہ ۹۴۳
۱۱ میران محمد شاہ (والی خاندیس)	سنہ ۹۴۳	سنہ ۹۴۴
۱۲. محمود شاہ ثالث	سنہ ۹۴۴	سنہ ۹۶۱
۱۳. احمد شاہ ثانی	سنہ ۹۶۱	سنہ ۹۶۹
۱۴. مظفر شاہ ثالث	سنہ ۹۶۹	سنہ ۹۸۰

سلاطین گجرات گجرات ہندوستان اور دکن کے مابین جانب مغرب ساحل

سمندر پر واقع ہے اس کو پہلے پہل سلطان علاء الدین خلجی کے سپہ سالار الغ خاں نے ۶۹۶ھ میں فتح کیا، اس کے بعد تقریباً سو سال تک یہ ملک سلاطین دہلی کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود مختار ہونے کے بعد اپنی جدید سلطنت قائم کرلی۔

سلاطین گجرات کی حکومت ابتداء میں صرف گجرات تک محدود تھی لیکن بعد میں بعض الوالعزم فرمانرواؤں کی کوشش سے اس میں بہت کچھ وسعت ہوگئی، مغرب میں کاٹھیاواڑ کا ملک شمال اور جنوب میں مارواڑ اور کوکن کے بعض علاقے ان کے تصرف میں آگئے اور دور استقلال کی ممتاز حکومتوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔

یہ حکومت تقریباً ایک سو بیاسی سال قائم رہی، یہاں تک کہ ۹۸۰ھ میں اکبر نے احمد آباد فتح کرلیا اور گجرات سلاطین مغلیہ کے قبضہ میں آکر سلطنت دہلی میں ملحق ہوگیا۔

اہل گجرات کے مشاغل علمی

گجرات چونکہ سمندر سے ملا ہوا تھا اس لئے ایران و عرب و مصر کے باشندے اس ملک میں ہمیشہ آیا جایا کرتے تھے ان تعلقات نے گجرات کو ارباب فضل و کمال کا مرکز و مرجع بنادیا تھا اور علماء و محدثین کی جماعت کثیر بلاد اسلام سے آکر یہاں آباد ہوگئی تھی، ان نوواردوں میں محدث وجیہ الدین مالکی شیخ شمس الدین سخاوی کے شاگرد تھے، انہیں شاہان گجرات نے ملک المحدثین کا خطاب دیا تھا، شیخ شہاب الدین مصری بھی جو شیخ الاسلام زین الدین زکریا کے شاگرد ہیں، احمد آباد میں

آکر مقیم ہوگئے تھے، انہوں نے سلاطین گجرات کے نام پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں[1]۔ امام بدرالدین دمامینی ۸۰۰ھ میں مصر سے گجرات آئے اور سلطان احمد شاہ کی فرمائش سے صحیح بخاری اور مغنی اللبیب کی تعلیقات لکھیں[2]۔

علمائے گجرات میں شیخ علاء الدین علی المہائمی خاص شہرت رکھتے ہیں ۸۳۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے تبصیر الرحمٰن کے نام سے آپ نے ایک ضخیم تفسیر تصنیف کی ہے، اس کے علاوہ شیخ الاکبر ابن عربی کی فصوص اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف پر شروح بھی لکھے ہیں[3]۔

شیخ رکن الدین ناگوری نہروالہ کے مفتی تھے انہوں نے قاضی القضاۃ شیخ جمال الدین اکرم کی فرمائش سے فتاویٰ حمادیہ تصنیف کی جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے

قاضی جگن گجرات کے مشاہیر فقہا سے ہیں انہوں نے فقہ احناف کے متعلق جمیع احادیث کو جمع کیا ہے، اور اس کا نام خزانۃ الروایات رکھو ۹۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

شیخ محمد طاہر پٹن کے باشندے تھے انہوں بحار الانوار کے نام سے حدیث کا ایک مبسوط لغت لکھا ہے علاوہ اس کے اسماء الرجال اور احادیث موضوعہ کی نسبت بھی دو بے مثل کتابیں تصنیف کی ہیں[4]۔

---

[1] نور السافر ۱۲، [2] نور السافر ۲، [3] بستان المحدثین [4] سبحۃ المرجان مآثر الکرام ص ۱۸۹ ۔ ۔ مآثر الکرام ص ۹۴ سبحۃ المرجان

مفتی قطب الدین نہروالہ کے باشندے تھے، حجاز میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے اور وہاں الاعلام کے نام سے بیت اللہ کی ایک تاریخ لکھی جو یورپ میں چھپی ہے۔

گجرات میں زبان اردو — اردو زبان دکن میں آنے کے بعد دکنی کے نام سے موسوم ہوئی اور جب گجرات میں پہنچی تو اس کا نام گوجری یا گجراتی مشہور ہوا چنانچہ ملفوظات سید علی گام دہنی کے دیباچہ میں جامع نے لکھا ہے۔

دربیان توحید و اسرار بالفاظ گوجری بطریق نظم فرمودہ بود

شیخ خوب محمد چشتی نے امواج خوبی کے دیباچہ میں لکھا ہے

من بزبان گجراتی کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز است ہمچناں گفتم

اہل بیجاپور اس زبان کو ابتدا میں گجراتی کہا کرتے تھے چنانچہ شاہ برہان الدین جانم جو بیجاپور کے ایک قدیم مصنف ہیں اپنے رسالہ حجت البقا میں فرماتے ہیں۔

جے ہوویں گیان بچاری ‎ ‎ ‎ ‎ نا دیکھیں بھاکا گجری

اہل گجرات نے نویں صدی کے اواسط ایام سے اس زبان میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا اور ان کی تصنیفات سے جو چیزیں اس وقت میسر آتی ہیں ان میں سب سے قدیم شیخ بہاء الدین باجن کا کلام ہے

شعرائے گجرات

شیخ بہاءالدین باجن

مشاہیر اولیا سے ہیں ۷۹۰ھ میں پیدا ہوئے مشہور محدث شیخ علی المتقی کے مرشد اور شیخ عزیز اللہ متوکل کے مرید تھے عرب و ایران کی سیاحت سے واپس آکر اپنے پیر کے فرزند شیخ رحمۃ اللہ متوکل کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات کے بعد ۸۹۹ھ کے قریب خاندیس میں آکر برہان پور میں مقیم ہو گئے اور اسی جگہ ایک سو بائیس سال کی عمر میں ۱۴ ذیقعدہ ۹۱۲ھ کو انتقال کیا شاہ بازار میں آپ کا مقبرہ اب تک موجود اور زیارت گاہ خاص و عام ہے فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے باجن تخلص تھا، آپ نے ایک کتاب خزانۂ رحمت کے نام سے لکھی ہے اس میں اپنے مرشد کے ملفوظات وارشادات جمع کئے ہیں اور جگہ جگہ اپنے ہندی کلام کو اس میں نقل کیا۔ منجملہ ان کے ایک دوہرہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

بول باجن باجے رے اسرار چھاجے
سنڈل من میں دھمکے — رباب رنگ میں جھمکے

صوفی ان پر ٹھمکے
یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

اخبار الاخیار ص۲۶۷ تاریخ برہان پور ص۱۰۱ ماثر الکرام ص۱۹۲ شیخ عزیز اللہ متوکل گجرات کے مشاہیر اولیاء سے ہیں شادی آباد مندو ان کا وطن ہے. سلطان احمد شاہ کے زمانہ میں گجرات آئے اور سی کے عہد میں انتقال فرمایا۔ احمد آباد کے باہر میدان پورہ میں مدفون ہوئے. آپ کے فرزند شیخ رحمۃ اللہ سلطان محمد بیگڑہ کے مرشد تھے. ۲۶ رجمادی الثانی ۸۹۷ھ کو فوت ہوئے احمد آباد کے قریب شیخپور میں آپ کا مقبرہ و مسجد موجود ہے
مراۃ احمدی ص۱۱ ج ۵۴

سید شاہ علی الحسینی گانوں دھنی

گجرات کے سادات رفاعیہ سے ہیں، آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سید احمد کبیر رفاعی (۵۷۸ھ) تک پہنچتا ہے، گانوں دھنی آپ کا انتقال ہوا، احمد آباد میں اندرون حصار دروازہ رائے گیر کے قریب سلطان شاہ عزنی کی گنبد کے پاس آپ کا مزار واقع ہے.
صاحب مخبر الواصلین نے آپ کی تاریخ وفات حسب ذیل منظوم کی ہے

سید بے نظیر شاہ علی — مظہر ذات پاک لم یزلی
صاحب فیض بود آں فیاض — مصدر کشف بود آں مرتاض
نسخہ فارسی و ہم عربی — کرد تالیف از خدا طلبی

باز در اصطلاح گجراتی　　　گفت سر صفاتی و ذاتی
جانب خلد و جنت اعلیٰ　　　شد بماہ جمادی الاخریٰ
سال نقش ازیں سراچۂ رفت　　　خرد م گفت "نور اوج بہشت
مرقد او با حمد آباد ست　　　جائے فیض و مقام ارشادات"
۹۷۳

آپ کا ہندی کلام گجرات میں نہایت مقبول ہے اہل گجرات اسے دیوان مغربی کے ہم پایہ سمجھتے ہیں مصنف مرآۃ احمدی نے لکھا ہے۔
"دیوانے دارد بزبان ہندی درویش و معنی برابر دیوان شیخ مغربی ست"

آپ کے پوتے سید شاہ ابراہیم بن سید شاہ مصطفےٰ ابن سید شاہ علی حسینی نے اسے بصورت دیوان مرتب کیا اور اس کا نام "جواہر اسرار اللہ" رکھا اس میں قطعات و فردیات ہیں جنہیں جامع نے نکات و مکاشفات کے نام سے موسوم کیا ہے، یہ مجموعہ ۱۳۴۸ھ میں بمبئی میں طبع ہوا ہے۔ اس کے پہلے اور دوسرے نکتے بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

آپیں کھیلوں آپ کھلاؤں　　　آپیں آپیں لے کل لاؤں

میرا ناؤں مجھے ات بھائے　　　میرا جیو مجھے پرچائے
میں آئینہ مجھ سوں مائے　　　ڈہری اپنیں روپ لبھائے

ایمن (۱)

گجرات کا درباری شاعر ہے، سکندر منجھو نے اس کا نام ملک

۱؎ مرآۃ احمدیہ جلد دوم ص۱۱۶ مفتاح التواریخ ص۱۷۱

امین کمال لکھا ہے سلطان بہادر (سنہ ۹۳۲ھ تا ۹۴۳ھ) اور محمود شاہ ثانی (سنہ ۹۴۳ھ تا سنہ ۹۶۱ھ) کے ندیمان خاص سے تھا، لطائف اور بدیہہ گوئی کے حکایات مرأۃ سکندری میں مذکور ہیں۔ گجرات کے مشہور بزرگ شاہ عالم سراج الدین سید محمد حسینی (م ۸۸۰ھ) سے اس کو خاص ارادت تھی۔ اس نے بہرام گور اور حسن بانو کے حسن و عشق کا فسانہ نظم کرنا شروع کیا تھا، جو نصف سے زیادہ انجام پا کر ناتمام رہ گیا تھا، لیکن بعد میں ایک دوسرے شاعر نے جس کا تخلص دولت ہے اسے تمام کیا۔ اختتام کی تاریخ یوم جمعہ یکم شعبان سنہ ۱۰۵۰ھ ہے۔

ابتدائی حصہ میں کئی جگہ امین نے اپنا تخلص بیان کیا ہے

امین حمد حق کر تو بے انتہا — بہ نعت محمد قلم کو چلا

امیں آستانوں کی اب خاک ہو — حشر کے عذابوں سے بیباک ہو

حمد و نعت کے بعد امین نے اپنے مرشد شاہ عالم کا اس طرح ذکر

امیں شاہ عالم ہمارے جو پیر — وہی روز محشر اندر دستگیر

دولت نے اس کے تمام کرنے کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے۔

امیں نے رکھا تھا اسے ناتمام — بزاں اس کو دولت کیا اختتام

سنہ یک ہزار اور پنجاہ میں — جمعہ روز شعبان اول ماہ میں

ابتدا اس کی حسب ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

الٰہی جہاں کا کرن ہار توں — غریبوں یتیموں کا اودھار توں

مرأۃ سکندری ص ۲۸۰ ص ۳۴۸ ابلورم ہارٹ مخطوطات برٹش میوزیم نمبر ۳ ۱۴ قصہ بہرام گور اور حسن بانو سنہ ۱۳۱۲ھ میں بمبئی میں چھپ گیا ہے۔

شیخ خوب محمد چشتی

گجرات کے مشہور بزرگ ہیں، شیخ کمال الدین محمد سیستانی کے مرید تھے ۲۴ شوال ۱۰۲۳ھ کو آپ نے انتقال فرمایا، چوک احمد آباد میں فرحت الملک کی مسجد کے قریب آپ کا مزار زیارتگاہ خاص و عام ہے کسی نے ذیل کے فقرے سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ "خوب تھے"

آپ کی تصنیفات سے تصوف میں تین کتابیں مشہور و متداول ہیں۔ شرح جام جہاں نما، امواج خوبی، خوب ترنگ، پہلی دو کتابیں فارسی میں اور تیسری کتاب ہندی زبان میں لکھی گئی ہے۔

خوب ترنگ صوفیانہ مثنوی ہے، مصنف نے اپنے مرشد شیخ کمال الدین محمد سے جو ارشادات سنے تھے، انہیں اس کتاب میں منظوم کیا ہے، دو شنبہ کے روز دوم شعبان ۹۸۶ھ کو اس مثنوی کی ابتداء ہوئی ہے، چنانچہ یہ سب واقعات مصنف نے دیباچہ میں بیان کئے ہیں۔

وارث محمد سر پر ٹھاؤں ۔۔۔ شیخ کمال محمد ناؤں
ان کھلیں میں سنگیاون لا آت ۔۔۔ اس موں یاد رہے کچھ بات
دجیو منجکو آئی ترنگ ۔۔۔ جمع کئے تس تس ڈھنگ
خوب ترنگ اس دیا خطاب ۔۔۔ مدح رسول اللہ باب
نسخہ کی تاریخ اس ٹھانہ ۔۔۔ پائے عدد ہر مصرعے مانہ

خوب محمد کئے بچار   چودہ گھاٹ اس برس ہزار
دو جا چاند تھا شعبان   دن دوشنبہ کیا بیان

مصنف ہی نے نثر فارسی میں اس کی شرح لکھی اور امواج خوبی اس کا نام رکھا ہے، یہ شرح جیسا کہ دیباچہ کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے ۹۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے۔

شمار سال شرح نعت احمد   دہم سال از دہم عشر از دہم صد

دیباچہ کے بعد عنوان ذیل کے ساتھ شرح کا آغاز ہوا ہے۔

آغاز خوب ترنگ با ترجمہ شرح نما کہ مسمی است با مواج خوبی از بعضے منقولات حضرت شیخ کمال محمد رحمہم اللہ در معارف محمدیہ علیہ السلام

مصنف نے دیباچہ میں مثنوی اور شرح دونوں کے ناموں کی اس طرح صراحت کی ہے اور مثنوی کی زبان عربی اور فارسی آمیز گجراتی بیان کیا ہے۔

ایں مثنوی گجراتی را خطاب خوب ترنگ دادم. و شرح آں مثنوی کہ فارسی است امواج خوبی نام نہادم

من بزبان گجراتی کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز ست ہمچناں گفتم

محمد عاصم نام ایک بزرگ برہان پور میں گذرے ہیں، یہ صاحب شیخ نور اللہ رمز الٰہی خلیفہ شیخ برہان الدین راز الٰہی کے مرید تھے، نظم فارسی میں خوب ترنگ کا شعر بہ شعر ترجمہ کیا نغمات حیات اس کا نام رکھا ہے، یہ ترجمہ ۱۱۰۶ھ میں تمام ہوا

نام او از غیب آمد خوب ترنگ ‌‌ شرح او امواج خوبی بیدرنگ
بود آں امواج خوبی چوں بہ نثر ‌‌ عاصم آوردہ بنظم از راہ فکر
بود عاصم بے خبر از نظریہ نثر ‌‌ لیک آبستن شد اور ابکر فکر
در ہزار یک صد دہم شصت و پنج ‌‌ گشت ظاہر ایں لالی گنج گنج

اس ترجمہ میں اصل ہندی مثنوی کی تاریخ تصنیف اس طرح مذکور ہے۔

ہست تاریخ شروع مثنوی ‌‌ کہ بود اندر عبارت ہندوی
چاردہ کم بود در ہزار سال ‌‌ ابتدا شد نسخہ از روئے شمار
دوم شعبان بود دوشنبہ روز ‌‌ شد شروع ایں نسخہ بس دلفروز

شیخ محمد مخدوم نام ایک بزرگ ارکاٹ کے رہنے والے تھے ۱۱۵۵ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے اور میلاپور میں مدفون ہوئے ہیں، آپ نے خوب ترنگ کے بعض مشکل ابیات کی شرح لکھی ہے اور اس کا نام مفتاح التوحید رکھا ہے، اس کا ایک نفیس نسخہ حال میں ہم نے دیکھا ہے اس کے دیباچہ مصنف نے اس کے نام اور کتاب کے موضوع کی صراحت اس طرح کی ہے۔

مفتاح التوحید در حل مشکلات و شرح مفصلات مثنوی شیخ گجراتی ''

ایضاً نمبر ۲۰۸ اسپرنگر ص ۶۱۹ مراۃ احمدی جلد دوم ص ۶۸ گلزار ابرار ص ۱۴۵ اردو جلد نہم ص ۱۲۳

شیخ کمال الدین محمد شیخ وجیہ الدین کے شاگرد و خلیفہ تھے اور

گجرات میں رہا کرتے تھے، سلطان مظفر شاہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر گجرات سے مالوہ چلے گئے، دوشنبہ کے روز دہم شعبان سنہ ۱۰۰۹ھ کو آپ نے بمقام اوجین انتقال کیا۔

اسپرنگر نے امواج خوبی کی تاریخ تصنیف سنہ ۹۹۰ھ بیان کی ہے جو غلط ہے، امواج خوبی اور نغمات حیات کے خوشخط نسخے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔ فن تصوف ص ۱۵۲۷!

امین (۲)

محمد امین نام ہے گجرات کے باشندے ہیں، اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ انہوں نے یوسف زلیخا کی داستان گوجری زبان میں منظوم کی ہے، یہ مثنوی سنہ ۱۱۰۹ھ میں تمام ہوئی ہے ضخیم کتاب ہے، ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کا جو نسخہ شاہان اودھ کے کتب خانہ میں دیکھا تھا اس کے تین سو ورق تھے، اس کی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

اول تعریف سن خالق کی اے یار — کہ دونوں جہاں کا ہے کرنہار

خاتمہ میں سنہ تصنیف کو اس طرح بیان کیا ہے

اگیارہ سو اوپر جب نو گذرے — برس ہجرت محمد مصطفےٰ کے

امین نے اس کے علاوہ ایک نعتیہ قصیدہ بھی لکھا ہے جو ۲۲ جمادی الثانی ۹۹ ۱۱ھ کو تمام ہوا ہے۔

اول قصیدہ فارسی تھا — سو ہر یک جا گا منے
پچھوں لکھیا در گوجری — آیا اتین کے دل بھیتر
جب ایک ہزار اوپر ہوے — ہجری کے نو د نو برس
تب اے حمادی الثانی ہیں — لکھیا قصیدہ از شکر
تاریخ بائیسویں آ تھی — روز جمعہ پیدا ہوا
بارے خدا کے فضل سوں — پورا کیا وقتِ سحر

اسیر نگر ص ۱۰۶ . مثنوی یوسف زلیخا سنہ ۱۲۷۲ھ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے. قصیدہ کا قلمی نسخہ ہمارے یہاں موجود ہے.

سلطنت قطب شاہیہ

سنہ ۹۱۶ھ — سنہ ۱۰۹۸ھ

۱. سلطان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۱۶ھ	سنہ ۹۵۰ھ
۲. جمشید قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۰ھ	سنہ ۹۵۷ھ
۳. سبحان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۷ھ	
۴. ابراہیم قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۷ھ	سنہ ۹۸۸ھ
۵. محمد قلی قطب شاہ	سنہ ۹۸۸ھ	سنہ ۱۰۲۰ھ
۶. محمد قطب شاہ	سنہ ۱۰۲۰ھ	سنہ ۱۰۳۵ھ
۷. عبداللہ قطب شاہ	سنہ ۱۰۳۵ھ	سنہ ۱۰۸۳ھ

۸۰ ابوالحسن تاناشاہ سنہ ۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ

سلطان قلی قطب شاہ بانی سلطنت قطب شاہیہ کے آباؤ اجداد اور ان کی سلطنت ایران کا مختصر تذکرہ

آل چنگیز نے ایران میں جو عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی اسے سلطان ابوسعید (۱۳۱۶ء سنہ ۷۳۶ھ) زمانے سے انحطاط شروع ہوا اور سلطنت کے بڑے بڑے امراء و صوبہ داروں نے خود سر ہو کر بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لیں فارس و کرمان پر آل مظفر (۱۳۱۵ء سنہ ۷۹۵ھ) نے قبضہ کر لیا عراق میں حسین جلائر نے خاندان ایلکانیہ (۱۳۳۶ء سنہ ۸۱۴ھ) کا سنگ بنیاد رکھا اور بغداد کو اپنا دارالحکومت قرار دیا خراسان کے باغی جنہوں نے اپنا لقب بر سر حکومت ہو کر سربدار رکھا تھا، سبزدار پر قابض ہو کر ایک خود مختار سلطنت کے بانی ہوئے یہ سب سلطنتیں امیر تیمور (۱۴۰۱ء سنہ ۸۰۷ھ) زمانہ تک قائم تھیں

دریائے وان کے نیچے آرمینیہ میں ترکمانوں کی ایک صحرانشین قوم آباد تھی، اس کے دو طائفے تھے اور ان کے پرچموں پر سیاہ و سپید مینڈھوں کی تصویریں ہوا کرتی تھیں اس لئے ان کا نام قراقویون لی اور آق قویونلی مشہور ہو گیا تھا۔ پہلا طائفہ قراقویون لی زیادہ طاقتور اور با اثر تھا، اس کے سردار قرا محمد نے سلطان حسین جلائر سے رابطۂ اتحاد قائم کر کے آرمینیہ اور آذربائجان میں ایک حکومت قائم کرلی جس پر اس کی اولاد سنہ ۸۷۴ھ تک حکمراں رہی امیر تیمور نے یورش کر کے قرا یوسف (۱۴۲۰ء سنہ ۸۲۳ھ) کے زمانے میں تمام ملک فتح کر لیا اور قرا یوسف فرار ہو کر مصر میں پناہ گیر ہوا

اور ۸۰۷ھ میں جب امیر تیمور کا انتقال ہو گیا تو قرا یوسف نے مصر سے واپس اپنی سابقہ حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قزوین، ہمدان اور اصفہان فتح کرنے ۸۱۳ھ میں سلطان احمد جلائر کو مار کر بغداد پر قابض ہو گیا۔

قرا یوسف نے ۸۲۳ھ میں انتقال کیا اور اس کے بعد اس کا لڑکا مرزا اسکندر بر سر حکومت ہوا اس نے کم و بیش اٹھارہ سال حکومت کی ۸۴۱ھ میں اس کے بیٹے مرزا قباد نے اسے مار ڈالا۔ مرزا اسکندر کے پانچ لڑکے تھے مرزا الوند، یار علی، قاسم بیگ، حسن بیگ، مرزا قباد باپ کی حکومت کسی بیٹے کو نہیں ملی، بلکہ ان کا چچا جہاں شاہ اپنے بھائی کی جگہ بر سر حکومت ہوا۔ جہاں شاہ کو شاہ رخ بن تیمور نے تخت نشین کیا تھا، شاہ رخ جب تک زندہ رہا، جہاں شاہ اس کا مطیع و فرمانبردار رہا، ۸۵۰ھ میں جب اس کا انتقال ہو گیا تو جہاں شاہ نے آزادی حاصل کر لی اور شاہ رخ کی اولاد سے ملک کے لئے لڑائیاں شروع کیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مرزا الوند نے سیستان اور کرمان پر قبضہ کر لیا ۸۶۱ھ میں جب مرزا بابر نے انتقال کیا تو جہاں شاہ نے ہرات پر قبضہ کر لیا اور اس فتح کے بعد آذربائیجان سے خراسان تک تمام ملک جہاں شاہ کے قبضہ میں آ گیا، اسی زمانہ میں جہاں شاہ نے اپنے لڑکے مرزا یوسف کی دختر خدیجہ بیگم کو مرزا الوند کے بیٹے پیر قلی کے عقد میں دیا اور کرمان و سیستان کے عوض ہمدان کا علاقہ مرزا الوند کو دیکر اسے اپنا مطیع بنا لیا۔

نویں صدی کے شروع سے آق قویونلی نے عروج حاصل کرنا شروع کیا اور دیار بکر میں اپنی ایک چھوٹی سی حکومت قائم کرلی اس قوم کے ایک سردار حسن بیگ نے ۸۷۱ھ میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس کی حکومت کو روز افزوں وسعت ہونے لگی جہاں شاہ نے اس کے استیصال کا ارادہ کیا، لیکن حسن بیگ نے ۸۷۲ھ جہاں شاہ کو مار ڈالا، اور قراقویونلیوں کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔

ہمدان میں الوند مرزا کے بعد پیر قلی اور پیر قلی کے بعد اس کا لڑکا اویس قلی برسر حکومت ہوا حسن بیگ نے اگرچہ کہ قراقویونلی شہزادوں کا استیصال کیا لیکن پیر قلی اور اس کی اولاد سے کوئی تعرض نہ کیا، یہ لوگ بلا خرخشہ ہمدان میں حکومت کرتے رہے حسن بیگ کے بعد ۸۸۴ھ میں سلطان یعقوب بیگ برسر حکومت ہوا تو قراقویونلی شہزادوں کی تفتیش شروع کی اور انہیں چن چن کر قتل کرنا شروع کیا اویس قلی نے جب یہ حال دیکھا تو اپنے لڑکے سلطان قلی کو اپنے بھائی اللہ قلی کے ہمراہ ہندوستان بھیجدیا

سلطان قلی بانی سلطنت قطب شاہیہ کا ہمدان سے دکن میں آنا

اللہ قلی اپنے بھتیجے سلطان قلی کو لے کر بحر فارس سے ہوتا ہوا دابل کے راستے دکن میں آیا اور سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد میں بیدر پہنچا، محمود شاہ بہمنی اللہ قلی کے ساتھ عزت، و احترام سے پیش آیا اور وہ کچھ عرصہ تک بیدر میں رہنے کے بعد ایران کو واپس چلا گیا لیکن محمود شاہ بہمنی نے سلطان قلی کو واپس جانے نہ دیا، اور اسے شاہی چیلوں میں شامل کرکے اپنے یہاں رکھ لیا

سلطان قلی لکھا پڑھا اور نہایت ہوشیار آدمی تھا، بادشاہ کو جب اس کی لیاقت کا حال معلوم ہوا تو قطب الملک کا خطاب دے کر تلنگانہ کا صوبہ دار بنا دیا، سلطان قلی سولہ سال تک صوبہ دار کی حیثیت سے تلنگانہ میں حکومت کرتا رہا، ۹۱۶ھ میں جب محمود شاہ کا انتقال ہو گیا اور سلطنت بہمنیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دوسرے صوبہ داروں نے خود سری اختیار کر لی تو سلطان قلی نے بھی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور قطب شاہ کا لقب اختیار کر کے گولکنڈہ کو اپنا مستقر حکومت بنایا، سلطان قلی کے بعد یکے دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کم و بیش دو سال تک حکومت قائم رہی، ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب عالمگیر نے گولکنڈہ کو فتح کر لیا تو قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطنت قطب شاہیہ کا قیام

سلاطین قطب شاہیہ کا علمی مذاق

سلطان قلی قطب شاہ کے لڑکے جمشید قلی قطب شاہ (۹۵۰ھ – ۹۵۷ھ) کو شعر و سخن سے غایت دلچسپی تھی، ملا محمد شریف وقوعی اس کے دربار کا ملک الشعرا تھا جمشید کا جانشین ابراہیم قطب شاہ نہایت زبردست عالم تھا، اس کے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے خورشاہ بن قباد الحسینی جو عراق کا باشندہ تھا اس کے ندیمان خاص سے تھا، اس نے اپنے آقا کی فرمائش سے دنیا کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے جس میں ابتدا تخلیق عالم و آدم سے ۹۷۰ھ تک کے حالات تحریر ہیں، یہ تاریخ آٹھ مقالات پر منقسم ہے پہلے مقالے میں

لہ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۱۶۷

قدیم سلاطین ایران و روم و یمن کے حالات ہیں، دوسرے مقالے ہیں جناب رسالت مآب اور آپ کے خلفا اور خلفا بنو امیہ و بنو عباس کا تذکرہ ہے، تیسرے مقالے میں ان سلاطین ایران کے حالات ہیں جو خلفاء عباسیہ کے معاصر تھے، چوتھے مقالے میں مغولان ایران کی تاریخ ہے، پانچویں مقالے میں امیر تیمور اور اس کی اولاد کا تذکرہ ہے، چھٹے مقالے میں طوائف قراقویون کی و آق قویونلی اور شاہان صفویہ اور سلاطین روم کے حالات ہیں، ساتواں مقالہ سلاطین ہندوستان کے متعلق ہے آٹھویں مقالے میں قطب شاہیوں کا تذکرہ ہے، مورخ فرشتہ نے اس تاریخ کا تذکرہ کیا ہے[۱]، برٹش میوزیم میں اس کا بہترین نسخہ موجود ہے[۲] موسیو شیفر نے اپنی کتاب منتخبات فارسی میں اس کا انتخاب شامل کیا ہے اور اس کے ساتھ مصنف کے حالات اور کتاب کی مفصل کیفیت لکھی ہے[۳]

محمد قلی قطب شاہ اپنے باپ کی طرح ذی علم اور ارباب کمال کا قدردان تھا اس کے زمانہ میں گولکنڈہ اہل علم کا مرجع ہو گیا تھا میر محمد مومن استرآبادی جو ایران کے ایک زبردست عالم اور علامہ فخر الدین سماکی کے بھتیجے اور شاہ طہماسپ صفوی کے اہل دربار سے تھے اسی زمانہ میں دکن میں آکر گولکنڈہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور سلطان محمد قلی نے انہیں وکیل السلطنت مقرر کر دیا تھا، کتاب الرجعت[۴] اور

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۶۷ [۲] ریو جلد اول صفحہ ۱۰۱ [۳] کرسٹمانی دی پرسان جلد دوم ۸۴ [۴] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۷۳ حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۲۵۸

اور کتاب المقادیر ان کی مشہور تصنیفات ہیں شاعر بھی تھے ان کا دیوان انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[1]

مرزا محمد امین، شہرستان کے سادات سے تھا اس کے دربار میں میر جملہ کی خدمت میں مامور تھا، یہ بھی ایک ذی علم آدمی اور فارسی کا زبردست شاعر تھا اور روح الامین تخلص کرتا تھا، بادشاہ کی فرمائش سے اس نے خمسہ نظامی کے جواب میں چار مثنویاں لکھی ہیں شیریں خسرو، لیلیٰ مجنوں، فلک البروج، مطمح الانظار، یہ مثنویاں انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہیں علاوہ ان کے اپنی غزلیات اور قصائد کا دیوان بھی ترتیب دیا ہے اور گلستان ناز اس کا نام رکھا ہے، یہ دیوان برٹش میوزیم میں موجود ہے۔[2]

محمد قطب شاہ بھی ایک ذی علم بادشاہ گزرا ہے اس کو سیر اور تواریخ کی کتابوں کا بیحد شوق تھا اور جس کتاب کا مطالعہ کرتا اس کے مصنف اور کتاب کے مضامین کا انتخاب اخیر میں لکھ دیا کرتا تھا، شاعر بھی تھا غزل کے سوا قصائد اور مناقب خوب لکھا کرتا تھا، اس نے سلطنت قطب شاہیہ کی ایک ضخیم تاریخ عالم آرائے عباسی کے طرز پر لکھوائی ہے، یہ کتاب نہایت فصیح و بلیغ اور مرصع و مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے، اس کے مضامین ایک مقدمہ چار باب اور ایک خاتمے پر منقسم ہیں مقدمے میں سلاطین قطب شاہیہ

---

[1] ایتھے نمبر (۲۸۹۲) [2] ریو صفحہ (۶۷۶) ایتھے نمبر (۲۸۹۷)

کے آباؤ اجداد کا تذکرہ ہے، چار باب میں چار بادشاہ سلطان قلی، جمشید قلی، ابراہیم قلی اور محمد قلی کے حالات ہیں خاتمہ میں سلطان محمد کا تذکرہ ہے۔[1]

عبداللہ قطب شاہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح نہایت علم دوست اور ارباب کمال کا قدر دان بادشاہ ہوا ہے شمس الدین محمد جو علامہ ابن خاتون کے نام سے مشہور ہیں اس کے دربار میں سفارت و پیشوائی کی خدمت پر مامور تھے، یہ بزرگ شیخ بہاء الدین آملی کے شاگرد اور اپنے عہد کے یکتائے روزگار عالم تھے انھوں نے کتاب الارشاد اور جامع عباسی پر عالمانہ حواشی لکھے ہیں ان کے علاوہ اربعین کا ترجمہ بھی کیا تھا، یہ سب کتابیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد تھیں[2] اس بادشاہ کی فرمائش سے ملا جمال الدین نے الکفعمی کی کتاب المصباح کا اور ملا علی بن طیفور نے علامہ ابن بابویہ القمی کی کتاب عیون اخبار رضا کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور مولانا حسین آملی نے جو شیخ بہائی کے شاگرد تھے نہج البلاغہ کی شرح لکھی ہے[3] فارسی کا مشہور لغت برہان قاطع بھی اسی بادشاہ کے نام پر لکھا گیا ہے[4] اسی بادشاہ کے عہد میں گولکنڈہ میں ملا فتح اللہ سمنانی نے امام یافعی کی کتاب روضہ الریاحین کا

---

[1] ریو جلد اول صفحہ ۳۲۲ [2] نجوم السماء، صفحہ ۲۶۳ [3] محبوب الالباب صفحہ ۱۱۲

[4] ریو صفحہ ۵۰۰ جلد اول

ترجمہ کیا ہے۔ ملا نظام الدین احمد بن عبداللہ الساعد الشیرازی نے اسی بادشاہ کے حالات میں ایک ضخیم کتاب نہایت فصیح و بلیغ فارسی میں لکھی ہے جس نام حدیقۃ السلاطین ہے۔ ۵؎

بادشاہ کا داماد سید نظام الدین احمد سید معصوم کا فرزند تھا سید معصوم ایسا جلیل القدر عالم تھا کہ اسے اہل ایران استاد البشر کہا کرتے تھے سید نظام الدین احمد کو علوم حکمت و فلسفہ میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی علاوہ اس کے ریاضیات کا بھی جید عالم تھا۔ اس نے مختلف علوم و فنون میں ایک سو آٹھ رسالے لکھے ہیں جو شجرۂ دانش کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا ایک مجموعہ ۱۰۵۵ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

شعرائے گولکنڈہ

سلاطین قطب شاہیہ اور اردو شاعری

سلطنت قطب شاہی کے تین بادشاہ سلطان محمد قلی (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) اور اس کے دو جانشین سلطان محمد (۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ) اور سلطان عبداللہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ)، زبان اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے، سلطان محمد قلی کا دیوان ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا اس میں آدھے سے زیادہ اردو

کلیات سلطان محمد قطب شاہ

۱؎ ریو ص ۳۲۲ ۵؎ فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان ص ۱۷۹ لسان العصر سنہ ۱۹۱۰ء جلد اول نمبر ۳ (؟) ص ۱۸

کلام تھا، بقیہ حصہ میں فارسی کی غزلیات و قصائد تھے، اسے سلطان کے بھتیجے اور جانشین محمد قطب شاہ نے مرتب کیا تھا[۱] اسی دیوان کا ایک بہترین نسخہ قطب شاہی کتب خانہ کا حیدرآباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اس کے متعلق مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے[۲]، یہ نسخہ بڑی تقطیع کے کشمیری کاغذ پر خط نسخ میں لکھا ہوا ہے، اس کے کم وبیش اٹھارہ سو صفحات ہیں سنہ ۱۰۲۵ھ میں اس کی کتابت ہوئی ہے۔ یہ نسخہ بھی سلطان محمد کا مرتب کیا ہوا ہے اور اس کے سرورق پر سلطان محمد نے اپنے دست خاص سے حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔

کلیات اشعار فصاحت آثار جنت مکانی فردوس آشیانی مغفرت پناہ عمی اعلیحضرت محمد قلی قطب شاہ نور اللہ مرقدہ تمام شد در کتاب خانہ مبارکہ بخط محی الدین کاتب بتاریخ اوائل شہر رجب المرجب سنہ خمس و عشرین اعنی بعد الف من الہجریہ فی دار السلطنت حیدرآباد حرس اللہ عن الاضداد۔ کتبہ العبد الخالص لمولاہ سلطان محمد قطب شاہ بلغ اللہ تعالیٰ فیما یتمناہ۔

دیوان کی ابتدا میں سلطان محمد نے ایک منظوم دیباچہ لکھا ہے اس دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد قلی نے دکھنی اور فارسی میں

۱؎ فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان ص ۱۰۹۔ لسان العصر سنہ ۱۹۱۲ء جلد اول نمبر (۳) ص ۱۱۵ ۲؎ یہ مضمون رسالہ اردو جلد دوم حصہ پنجم بابت جنوری سنہ ۱۹۲۲ء ص ۱۳ تا ص ۳۷ میں شائع ہوا ہے، سلطان محمد قلی کے کلیات کی تمام کیفیت اسی مضمون سے ماخوذ ہے۔

پچاس ہزار شعر کہے ہیں علاوہ اس کے تلنگی میں بھی اس کا کلام ہے اس دیوان میں پہلے مثنویاں ہیں ان کے بعد قصیدے پھر ترجیع بند اور مرثیئے مرثیوں کے بعد غزلیں اور رباعیاں ہیں۔ ان میں بالالتزام پہلے فارسی پھر دکنی کلام ہے

مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے نے کلیات کا مطالعہ کرنے کے بعد سلطان محمد قلی کی شاعری اور اس کے کلام کی نسبت جو رائے ظاہر کی اس کا اقتباس ذیل میں درج ہے۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شاعری اور اس کے کلام کی نسبت مولوی عبدالحق صاحب کی رائے

سلطان محمد قلی قطب شاہ کا زمانہ تاریخ میں خاص امتیاز رکھتا ہے خاص کر شعر و شاعری کے چرچے ایران سے لے کر ہندوستان تک یکساں تھے بلکہ ہندوستان کا قدم کچھ آگے ہی تھا۔ شعر و سخن ہماری معاشرت و اخلاق اور ہمارے علم و فضل کا بہت بڑا جز تھے۔ اور ہر شخص جو شرافت کا دعویٰ رکھتا تھا شعر و سخن کا بھی مدعی تھا۔ ہندوستان کے بادشا شعر و سخن کے قدرداں ہی نہیں تھے بلکہ خود بھی شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے یہی حال دکن میں قطب شاہی اور عادل شاہی بادشاہوں کا تھا۔ تاریخوں میں ان بادشاہوں کے نام بھی اشعار درج ہیں لیکن ان میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کا نمبر سب سے اول ہے۔ اس کے کلام کا مجموعہ اس قدر ضخیم ہے کہ بادشاہ شاعر تو کیا پیشہ ور شاعر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے"

" اگر دو ایک شاعروں کو مستثنےٰ کر دیا جائے جن کا درجہ درحقیقت نہایت بلند ہے تو ہمارے یہاں کی عشقیہ شاعری میں کوئی نئی بات نہیں نظر آتی ہے، چار سو برس پہلے کا کلام اگر آج کل کے شعرا کے عشقیہ کلام کے سامنے رکھدیا جائے تو سوائے زبان کے تغیر

اور شستگی کے کوئی اور فرق معلوم نہ ہوگا، وہی باتیں ہیں وہی مضمون ہیں اور وہی طرز اور وہی بحریں ہیں، اس لحاظ سے سلطان محمد قلی قطب شاہ کا کلام اردو کے کسی دوسرے شاعر سے کم نہیں ہے، عشق و مستی اور تصوف میں اس کا کلام کسی سے پیچھے نہیں ہے بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کے فیض نے شاعر کی طبیعت کو گرما دیا ہے۔"

سلطان محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں ایک نئی بات دیکھی گئی ہے جو اردو شعراء میں سوائے سودا اور نظیر کے کسی دوسرے کے کلام میں پائی نہیں جاتی، ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی شاعری کو صرف عشق و محبت حمد و نعت منقبت مرثیے تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ انسانی معاشرت اور مظاہر قدرت پر بھی نظر ڈالی ہے مثلاً متعدد مثنویاں پھلوں میووں پر ہیں، جن میں ایران و خراسان ہی کے میوے نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر قسم کے پھلوں کا بیان کیا ہے، دو مثنویاں سبز ترکاری اور شکاری پرندوں کے بیان میں ہیں، ان کے علاوہ بہت سی مثنویاں اور غزلیں ایسی ہیں جنہیں سلطان محمد قلی نے شاہی محلات مثلاً الٰہی محل جناں محل باغ محمد شاہی اور اسی عہد کے رسم و رواج مثلاً شادی بیاہ کے رسوم، سالگرہ کی تقریب، شب برات، میلاد نبی، عید غدیر ہولی، بسنت وغیرہ پر لکھی ہیں دو نظموں میں صراحی و پیالہ اور کالی گوری کا مکالمہ بیان کیا ہے۔"

"اگرچہ کہ یہ مثنویاں معمولی ہیں اور شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ رتبہ نہیں رکھتی ہیں لیکن ان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے فارسی شاعری کا پورا اتباع کیا ہے اور اس قدر وسیع النظر ہے کہ عشق و محبت کے تنگ کوچے سے باہر نکل کر صنعت و قدرت کی خوبیوں کی داد دے سکتا ہے اور اس لحاظ سے سلطان محمد قلی بحیثیت

شاعر ہونے کے خاص امتیاز اور وقعت رکھتا ہے وہ نہ صرف پہلا شاعر ہے جس نے اردو میں غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ لکھا بلکہ اس نے حلقۂ تقلید سے باہر نکل کر جس میں اردو شاعری ابتدا سے مقید ہوگئی تھی، کسی قدر آزاد روی اور جدت کا مسلک اختیار کیا اور اپنے مشاہدات کو کام میں لاکر ایسی چیزوں پر نظمیں لکھیں جس سے اردو کے بعد کے شعرا بھی قاصر رہے"۔

سلطان محمد اور سلطان عبداللہ کا اردو کلام

سلطان محمد اور سلطان عبداللہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے، پہلے کا تخلص ظل اللہ اور دوسرے کا عبداللہ ہے[1] ان کے فارسی اشعار تاریخ قطب شاہی اور حدیقۃ السلاطین میں درج ہیں[2]، اردو کا کلام ایک انتخاب میں جمع ہے جسے ۱۰۶۹ھ میں اردستانی نے حیدرآباد میں مرتب کیا ہے، اور اس کا ایک مطلا نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے[3]

تانا شاہ بھی زبان اردو کا شاعر

بعض تذکرہ نویسوں نے ابوالحسن تانا شاہ کو بھی اردو شعرا میں شمار کیا ہے اور مرزا لطف اور میر حسن کے تذکروں میں حسب ذیل بیت ان کے نام سے تحریر ہے[4]

کس در کہوں جاؤں کہاں، مجھ دل پہ بھل بھراٹ ہے
ایک بات کے ہوں گے سجن یاں جی ہی بارہ باٹ ہے

عہد قطب شاہیہ کے اردو شعر کہنے والے شعراء

گمان غالب ہے کہ ان بادشاہوں کے زمانہ میں اردو کے بہت باکمال شاعر ہوئے ہونگے اس واسطے کہ بادشاہوں

---

[1] حدیقۃ العالم جلد اول ص ۲۶۹ رسالہ اردو جلد دوم ص ۱۸ [2] حدیقۃ العالم جلد اول ص ۲۶۹ تا ص ۳۰ [3] بلیو ایتھے نمبر (۸۰۸ھ) [4] گلشن ہند ص ۶۵ تذکرہ میر حسن ص ۶۵ گل رعنا ص ۳۶

کا میلان طبع جس جانب ہوتا ہے اسی جانب لوگوں کے خیالات متوجہ ہوتے ہیں لیکن افسوس کہ ان کے حالات پر گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے اور اس کے علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے[1] نہایت جد و جہد اور تلاش و تجسس کے بعد جن شعرا کے حالات اور تصنیفات دستیاب ہوئے ہیں ان کا تذکرہ ذیل میں درج ہے۔

قطب شاہی دور کے شعرا میں احمد، فیروز، محمود اور وجہی سب سے قدیم ہیں، ان میں ملا احمد سلطان محمد قلی قطب شاہ کا درباری شاعر ہے

ملا احمد ملا فیروز ملا محمود ملا احمد نے بادشاہ کی فرمائش سے لیلی مجنوں کی داستان منظوم کی ہے[2]۔ اس کے خاتمہ میں شعر و سخن کے فضائل کو بیان کرتے ہوئے اپنے دو معاصر شعراء فیروز اور محمود کا تذکرہ کرتا ہے[3] ؎ پھول بن میں ابن نشاطی نے بھی ان کی استادی کا اعتراف کیا ہے[4]

نہیں وہ کیا کروں فیروز استاد	جو دیتے شاعری کا مج مرے داد
رہے صد حیف جو نیں سید محمود	کتے پانی کوں پانی دود کوں دود

ملا وجہی

ملا وجہی بھی اسی عہد میں گزرا ہے۔ اس نے سلطان محمد قلی کی وفات سے دو سال قبل ۱۰۱۸ھ کے حدود میں ایک مثنوی لکھی ہے اور

---

[1] گل رعنا صفحہ ۲۶ [2] اورنٹیل میگزین جلد دوم نمبر اول صفحہ ۲ [3] بلوم ہارٹ مخطوطات انڈیا آفس نمبر ۱۲۲۔

اس میں مشتری کے ساتھ خود بادشاہ کی عشق و محبت کے حکایات بیان کئے ہیں، اس کی ابتدا ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

توں اول توں آخر توں قادر اہے — توں مالک توں باطن توں ظاہر اہے
توں مغنی توں مبدی توں واحد سچا — توں تواب توں رب توں ماجد سچا
توں باقی توں مقسم توں ہادی توں نور — توں وارث توں منعم توں بر توں صبور

خاتمہ میں سنہ تصنیف کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

تمام اس کیا دیس بارہ منے — سنہ یک ہزار ہور اٹھارہ منے

ملا غواصی

ملا غواصی گولکنڈہ کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے درباری شاعر ہیں ملا نصرتی نے گلشن عشق میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

بری کچھ غواصی نبی کر خیال — کیا تازہ باغ بدیع الجمال

میر حسن اپنے تذکرہ میں تحریر کرتے ہیں

غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ ر۱۰۱۴ھ تا ۱۰۳۷ھ) بود طوطی نامہ نخشبی را نظم نمودہ است بزبان قدیم نصفے فارسی نصفے ہندی بارٹ کہانی سرسری دیدہ بودم، شعر آں نظم یاد نیست،

ملا نظام الدین احمد شیرازی نے حدیقۃ السلاطین کے نام سے سلطان عبداللہ قطب شاہ کی تاریخ لکھی ہے، اس میں ایک موقع

پر غواصی کا تذکرہ بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کو دربار کے دکنی شعرا، میں ممتاز حیثیت حاصل تھی، ۱۱۔ ذی قعدہ ۱۰۴۱ھ کو بادشاہ کے محل میں شہزادہ تولد ہوا تو غواصی نے کلمہ محفوظ باد سے اس کی تاریخ نکالی اور اسے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا۔

"بہ شکرانۂ ایں موہبت خاقان سکندر منزلت مبلغی کلی بعلما، وفضلا، اکرام واحسان فرمودند بفقرا ومساکین نقود واجناس بسیار تصدق نمودند وجمعی از شعرا، تاریخہائے کہ یافتہ بودند بمسامع جاہ وجلال خسرو یوسف جمال رسانیدند از اں جملہ ایں سہ تاریخ مرقوم گردید۔ اول تاریخ ملا وجہی شاعر دکنی یافتہ است" آفتاب از آفتاب آمد پدید" وملا غواصی کہ در شعر دکنی از امثال خود ممتاز است ایں کلمہ را مادۂ تاریخ ساختہ است" محفوظ"

۱۰۴۵ھ میں سلطان محمد عادل شاہ نے ملک خوشنود کو ایلچی بنا کر گولکنڈہ بھیجا اس کے جواب میں سلطان عبداللہ نے ملا غواصی کو بیجاپور روانہ کیا اور کچھ عرصہ کے بعد غواصی بیجاپور سے واپس ہوا تو محمد عادل شاہ نے میر زین العابدین کو ساتھ کر دیا اور اس کے ہاتھ بہت سے تحفے سلطان عبداللہ کے یہاں روانہ کئے، ملا نظام الدین احمد نے اس واقعہ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

"وبعد از یک چندے ملا غواصی شاعر دکنی را رفیق او ساختہ باتحفہ

و یادگار روانہ بیجاپور ساختند و بعد از قتل خواص خاں حضرت عادل شاہ میر زین العابدین پسر شاہ ابوالحسن صاحب مقیمی راہمراہ ملا غواصی شاعر نمودہ دو زنجیر فیل بزرگ و شش سر اسپ عراقی دو صندوق مقفل از تحف و ہدایا ارسال داشتند و مشارٌ الیہما بشرف بساط بوسی مشرف و سرفراز گردیدند،،

ملا غواصی کی تصنیفات سے اس وقت دو کتابیں موجود ہیں

۱۔ فسانہ سیف الملوک و بدیع الجمال. الف لیلہ کے فارسی ترجمہ کا ایک مشہور فسانہ ہے۔ اس میں مصر کے شہزادہ سیف الملوک اور راجنہ جنّی کی شہزادی بدیع الجمال کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے، غواصی نے اسے نثر فارسی سے نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے ،اور غواصی کے ایک عرصہ بعد اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں مرزا بدیع اصفہانی نے شمشیر خاں کی فرمائش سے اس داستان کو فارسی میں نظم کیا اور گلدستہ عشق نام رکھا، غواصی کی یہ مثنوی ۱۰۳۵ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں تاریخ کا اس طرح ذکر ہے

برس ہزار ہور پنچ تیس تیں	کیا ختم یو نظم دن تیس میں

اس کی ابتدا ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

الٰہی جگت کا الٰہی سو توں	کرنہار جم بادشاہی سو نوں
ترے حکم تل نو کرا سمان کے	رعیت ملک تیرے فرمان کے
بھریا تس کرا ان بیچ تارے حشم	کریں نوبتاں سوں النگ دمبدم

۲۔ طوطی نامہ۔ ملا ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامے کا ترجمہ ہے

اور ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے۔ غواصی نے اس کے اختتام کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے۔

برس یک ہزار ہور چالیس پو نو — ہوئے تھے یو موتیاں پوریا ہوں تو

اس کے ابتدائی ابیات یہ ہیں۔

خدایا جو دانا ہے توں غیب کا — ہے ستار بندیاں کے عیب کا

نہ آکار تجھ ہے نراکار توں — نہ چون و چرا سو وہرے کار توں

ترے راز سوں کوئی آگاہ نہیں — تصرف کو تیری طرف راہ نہیں

حدیقۃ السلاطین ص ۱۸۹ و ص ۲۴۹ حدیقۃ العالم جلد اول ص ۲۴۳، میر حسن ص ۱۴۰ ڈی ٹاسی جلد اول ص ۱۹۴ ولسن ص ۳۸۶ ایتھے نمبر ۲۸۹ ریو جلد دوم ص ۷۶۴ بلوم ہارٹ انڈیا آفس ۹۹ بلوم ہارٹ برٹش میوزیم ۴۷ و ۵۴ لسان العصر جلد اول نمبر سوم ص ۱۲

مثنوی سیف الملوک ۱۲۹۰ھ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے اور اس میں اس کا تاریخی شعر اس طرح ہے۔

برس یک ہور ستاویس میں — کیا ختم یو نظم دن تیس میں

اس سے ظاہر ہے کہ یہ مثنوی ۱۰۲۷ھ میں تمام ہوئی ہے لیکن کئی وجوہ سے یہ تاریخ غلط ثابت ہوتی ہے، اولاً یہ کہ ہم نے جس قدر قلمی نسخے اس مثنوی کے دیکھے ہیں ان میں یہ تاریخی مصرعہ اسی طرح ہے جیسا کہ اصل مضمون میں اوپر نقل ہوا ہے (دیکھو ہند کے کتبات اسلامیہ بابت ۱۹۱۵ء ص ۴۹) اس لئے اس مثنوی کا سلطان عبد اللہ کی تخت نشینی سے پہلے ۱۰۲۷ھ میں تصنیف ہونا کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں ہے۔

سیّد میراں حسینی

سید میراں حسینی گولکنڈہ کے مشائخین سے ہیں اور سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے زمانہ میں گزرے ہیں، ۵ جمادی الاول ۱۰۴۹ھ کو ان کا انتقال ہوا، گولکنڈے کے دامن میں لنگر حوض کے کنارے مدفون ہوئے شاہ محمد جس کا تخلص جامی ہے سلطان محمد قلی قطب شاہ کے اہل دربار سے تھا۔ اس نے سنسکرت سے اخذ کر کے نظم فارسی میں کوک شاستر لکھی تھی عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں سید حسین کی فرمائش سے جن کا لقب لاڈ حسینی ہے سید میراں نے نظم دکنی میں اس کا ترجمہ کیا اور تحفۃ العاشقین نام رکھا۔

فارسی کتاب کی ابتدا اس بیت سے ہوئی ہے

کنم ابتدا من بنام خدائے ۔۔۔ کہ پیدا است از قدرتش دوسرائے

ترجمے کے ابتدائی ابیات یہ ہیں۔

خدا نام کرتا ہوں میں ابتدا ۔۔۔ کہ قدرت سوں اس کے ہوے دوسرا
کروں ناز اسی قدرت پاک پر ۔۔۔ شرف دی سبے خاک کوں سر بسر
بہوت مہوشاں اس نے پیدا کیا ۔۔۔ خط دل پسند رنگ زیبا دیا
ہریک صورت گل کوں دی رنگ و بو ۔۔۔ ہریک کون دی اخلاق پاکیزہ خو

کتاب کی اصل تصنیف کی تاریخ اور اپنے نام کی صراحت سید میراں نے

ابیات ذیل میں کی ہے۔

لکھیا تھا جو جامی نے در فارسی　　لکھیا ہوں میں ہندی جوں آرسی

ـــ ـــ ـــ

ہزار و سی و پنج میں یہ کتاب　　ہے ہندی زباں سوں ہوئی انتخاب

ـــ ـــ ـــ

کہ میراں حسینی میرا نام ہے　　تخلف مسمہ سنے عام ہے

تاریخ دکن صفحہ ۹۶ ریو جلد ۲ صفحہ ۲۹ ریو نے فارسی نسخہ کے مصنف کا نام محمد قلی جامی لکھا ہے اور اسے عبداللہ قطب شاہ کے عہد کی تصنیف بتایا ہے، لیکن یہ غلطی ہے

ملا قطبی

ملا قطبی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں، انہوں نے ۱۰۴۵ھ میں تحفۃ النصائح کا دکنی میں ترجمہ کیا ہے، تحفۃ النصائح شیخ یوسف دہلوی کی تصنیف ہے، یہ بزرگ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید ہیں، اور اپنے فرزند صدر الدین ابوالفتح کی تعلیم کے لئے ۷۹۵ھ میں اسے تصنیف کیا ہے، اس میں پینتالیس ابواب ہیں، اور ان میں فرائض و سنن کے احکام و آداب مذکور ہیں۔

تحفۃ النصائح سات سو چھیاسی بیت کا ایک ہم قافیہ قصیدہ ہے ملا قطبی نے اسی بحر اور اسی قافیہ میں اس کا شعر بشعر ترجمہ کیا ہے، فارسی قصیدے کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔

حمدِ بگویم بے عدد مر خالق جن و بشر
کردہ معلق آسماں ہم اختراں شمس و قمر
عظمے بداد ہ عرش را پرّد زپایش طائرے
جو برق سالے چار صد آنکہ رسد پایۂ دگر
اس کا ترجمہ ملا قطبی یوں کیا ہے۔
بولوں صفت میں بے گنت اس خالق جن و بشر
نر دھار کر اسمان رکھیا سورج ستارے ہور چندر
جوں دی بزرگی عرش کوں پنکھے اڑے یک پائیتے
جوں بیچ برساں چار سو انپڑے بزاں پائے دگر
ترجمہ کے اختتام کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے
ہجرت تھے دس سو سال ہور چالیس پر تھی پانچہ آتھے
تب یہ مرتب سب ہوا تحفہ سو دُنی نامور
تحفہ کے ہم نے کئی نسخے دیکھے بعض میں قطبی تخلص ہے اور بعض میں
رازی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا قطبی نے دو تخلص استعال کئے ہیں۔ ذیل
کے شعر سے قطبی تخلص ظاہر ہوتا ہے۔
نازش جہاں میں ہیں کیتا کیتا برائی کے جو بھی
قطبی دھریا امید یو لایا ہوں سب صاحب نظر
ذیل کی بیت میں رازی تخلص آیا ہے۔
بندیاں میں سب کم ترنبدہ رازی تخلص قطب کا

تحفہ کیا دکنی زبان شہ کی رضائے سیں دھر

شیخ یوسف چشتی مصنف تحفۃ النصائح کے حالات کے لئے دیکھئے خزینۃ الاصفیا، جلد اول ص ۳۶۶ اور تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۶ کتب مذکور میں شیخ یوسف کا سنہ وفات ۷۷۴ھ لکھا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے، کیونکہ تحفۃ النصائح اس تاریخ کے تقریباً اکیس سال بعد ۷۹۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔

ابن نشاطی

ابن نشاطی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر ہے اس نے دو کتابیں لکھی ہیں اور انہیں سلطان عبد کے نام سے نامزد کیا ہے۔

۱۔ پھول بن۔ ایک فارسی کتاب بساطین کا منظوم ترجمہ ہے اسٹوارٹ نے اس کا سن تصنیف ۱۰۵۹ھ بیان کیا ہے، کتب خانہ انڈیا آفس کے نسخے سے ۱۰۶۶ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے، لیکن کتب خانہ آصفیہ میں جو نسخہ موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی ۱۰۶۶ھ میں تمام ہوئی ہے، چنانچہ ابن نشاطی نے سبب تالیف کو بیان کرتے ہوئے اس کے نام اور تاریخ تصنیف کی اس طرح صراحت کی ہے

صفا دار اس کی دیکھ ہر ایک چمن میں رکھیا ہوں ناؤں اس کا پھول بن میں

انھا تاریخ لایا تو یہ گلزار اگیارہ سو کوں کم تھے بیس پر چار

اس مثنوی میں بادشاہ کی مدح کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔

کروں تعریف میں اس تاجور کا — سمجھتا ہے جنے قیمت ہنر کا
شہاں کا شاعبد اللہ غازی — اچھو جم حق سوں اس کی پیش بازی

ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے۔

خداوندا تجھے ہے جم خدائی — ہمیشہ تجکوں سا جے کبریائی

محمد ابراہیم بیجاپوری نے ۱۱۷۹ھ میں انوار سہیلی کا نثر دکنی میں ترجمہ کیا ہے اس کے دیباچے میں دکنی کی بہترین تصنیفات کے نام لکھے ہیں جن میں پھولبن کا نام بھی شامل ہے۔

حاجی خلیفہ نے بساطین کا نام لکھا ہے، یہ فارسی کی ایک مشہور کتاب ہے، اور ملا احمد زبیری نے اسے سلطان محمد تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں تصنیف کیا ہے۔

۲۔ طوطی نامہ، شیخ ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامہ سے ماخوذ ہے، پروفیسر ڈی ٹاسی نے اس کا سن تصنیف ۱۰۴۹ھ بیان کیا ہے، لیکن میجر اسٹوارٹ کے بیان سے ۱۰۶۴ھ میں اس کا تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

ڈی ٹاسی جلد اول ص ۲۵۶ اسٹوارٹ ص ۱۸۰ بلوم ہارٹ انڈیا آفس ص ۱۰۳ و ص ۱۲۲ ایتھے نمبر ۲۸۶۲ الستان العصر جلد ا نمبر ۳ ص ۲۲۳ ترجمہ انوار سہیلی ص ۱۱ حاجی خلیفہ جلد دوم ص ۵ کتب خانہ آصفیہ میں مثنویات اردو کے نمبر ۱۶ پر اس کا ۱۱۰۳ھ لکھا ہوا نسخہ موجود ہے، طوطی نامہ کے لئے دیکھئے دوسرا ضمیمہ۔

جنیدی

شیخ احمد نام ہے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں اس نے ماہ پیکر کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود تھا۔ لیکن اس وقت کمیاب ہے یہ مثنوی ۱۰۶۴ھ میں تمام ہوئی ہے اور مصنف نے اس کا سال تصنیف اس طرح بیان کیا ہے۔

نبی کی سو ہجرت کا یوں تھا قرار　　　چہار سال تین بیس بھی ایک ہزار

اسٹوارٹ صفحہ ۱۷۹

طبعی

طبعی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا معاصر ہے اس نے ۱۰۸۱ھ میں ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے۔ جس میں بہرام و گل اندام کا فسانہ مذکور ہے اور اس کا دیباچہ شاہ راجو حسینی کے نام سے منسوب کیا ہے خاتمہ میں ابوالحسن تانا شاہ کی مدح وستائش بیان کی ہے۔ شاہ راجو حسینی گولکنڈہ کے مشہور بزرگ ہیں۔ خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے ۱۰۶۳ھ میں آپکا انتقال ہوا ہے۔ ابوالحسن تانا شاہ جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کا داماد و جانشین ہے، آپ کا مرید تھا۔

بہرام گور ایران کے خاندان ساسانیہ کا چودھواں بادشاہ ہے
اس کی حکایات فارسی میں نظامی اور ہاتفی نے نظم کئے ہیں اور
انہیں ہفت پیکر و ہفت منظر کے ناموں سے نامزد کیا ہے۔ ان
ناموں کے رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بہرام کی سات بیویاں تھیں اور
وہ سات مختلف باغوں میں الگ الگ رہتی تھیں۔

طبعی نے اپنی مثنوی ہفت پیکر سے اخذ کیا ہے لیکن اس
نے نظامی اور ہاتفی کی طرح اس کا کوئی خاص نام نہیں رکھا ہے
خاتمہ میں قصہ بہرام و گل اندام کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کی
ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے

الٰہی بچن کا مجھے تاب دے	مری جیب کی تیغ کوں آب دے

اور حسب ذیل بیت میں تاریخ تصنیف مذکور ہے

اٹھا سال تاریخ کا خوب نیک	سنہ یک ہزار اور ہشتاد و ایک

اسپرنگر صفحہ ۶۳۹ اسٹوارٹ صفحہ ۱۷۹ ایتھے نمبر ۱۶۹۷۔ ڈی۔ ناسی کا پانچواں
خطبہ مشمولہ رسالہ اردو جلد سوم صفحہ ۲۶۲

شاہ راجو حسینی کے لئے دیکھئے تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۲۲۵ اور بہرام گور کے
لئے ڈاکٹر اسپیگل کی کتاب عتائق ایران جلد سوم صفحہ ۳۴۸

نوری

نوری کا نام شجاع الدین ہے، گجرات کے سادات سے تھے اور

حیدرآباد میں رہا کرتے تھے سلطان ابوالحسن تاناشاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ) کے وزیر سید مظفر کے لڑکے کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

نوری اپس کے دل کی کسی سے نہ کہہ سکا
حاصل بھلا اب اس سے دوانے جو تھا سو تھا

ڈی تاسی جلد دوم ص ۹۸ میر حسن ص ۱۹۹ لسان العصر جلد اول نمبر ۳ ص ۱۱۹

نوری دو بزرگوں کا تخلص ہے، ایک نوری حیدرآبادی جن کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے، دوسرے نوری اعظم پور کے باشندے تھے شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے زمانے میں گزرے ہیں انہیں ملا فیضی سے بیحد ربط و ضبط تھا قائم چاندپوری اور میر حسن دہلوی نے اپنے تذکروں میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے (تذکرہ میر حسن ص ۱۹۰)

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد   بیچارہ نوری نہ کرے ہے و نہ ڈرے ہے

پروفیسر ڈی تاسی کو نوری کا تذکرہ لکھنے میں تخلص کے ایک ہونے کی وجہ سے سخت مغالطہ ہوا ہے نوری حیدرآبادی و نوری اعظم پوری دونوں کو ایک سمجھ کر ان کے حالات مخلوط کر دیئے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں جو مضمون "زبان اردو" پر لکھا گیا ہے اس میں بھی کاتب مضمون سے پروفیسر موصوف کی اتباع کے باعث یہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔

ملا فیضی کا سنہ ۱۰۰۴ھ میں انتقال ہوا ہے (بدایونی ص ۲۷۷ ماثر الکرام ص ۱۹۹)
ابوالحسن تاناشاہ کی تخت نشینی کے بعد سنہ ۱۰۸۳ھ میں سید مظفر کو عہدۂ وزارت
ملا ہے (حدیقۃ العالم جلد اول ص ۲۹۵) فیضی کی وفات اور سید مظفر کی وزارت
کے مابین اکیاسی سال کا زمانہ گزرا ہے اس طویل مدت کو طے کر کے فیضی کے
دوست کا سید مظفر کی ملازمت کرنا بعید از قیاس امر ہے۔

فائز

گولکنڈہ کا شاعر اور ابوالحسن تاناشاہ (سنہ ۱۰۸۳ھ تا سنہ ۱۰۹۸ھ) کا معاصر ہے
تباہی سلطنت قطب شاہیہ سے چار سال پہلے سنہ ۱۰۹۴ھ میں اس نے قصۂ
رضوان شاہ و روح افزا کو نظم کیا ہے، یہ ایک ضخیم مثنوی ہے، اس کا ایک قلمی
نسخہ سنہ ۱۲۴۰ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے، یہ فسانہ فارسی
میں تھا بعض دوستوں کی فرمائش سے فائز نے نظم دکنی میں اس کا ترجمہ کیا
ابتدا اس کی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے

اول نام حق کا لے بولوں سخن — بندوں اس کی توحید کھولوں بین

تاریخ تصنیف اس طرح بیان کی ہے۔

اتھا جس وقت سال ہجرت ہزار — اس اوپر نود اس کے اوپر چار

مثنوی کا نام قصۂ رضوان شاہ رکھا ہے اور خاتمہ میں اس کا ذکر
اس طرح کیا ہے

ہوا قصۂ رضوان شاہ کا تمام — نبی اور ولی پر ہزاراں سلام

(اسپرنگر ص ۶۰۶ اسٹوارٹ ص ۱۷۹)

ڈاکٹر اسپرنگر نے فائز کا املا بجائے زائے منقوطہ کے ضاد منقوطہ سے فائض لکھا ہے۔

فہرست کتب خانۂ آصفیہ جلد دوم ص ۱۲۸۴ میں اس کا نام قصہ روح افزا درج ہے اور کتب خانہ مذکور میں اس کا نسخہ فن قصص میں نمبر ۱۲۱ پر محفوظ ہے

شاہی

ان کا نام شاہ قلی خاں ہے، حیدر آباد کے باشندے اور قطب شاہی لشکر میں ملازم تھے، رفتہ رفتہ تانا شاہ کے مصاحب ہو گئے، مرثیہ خوب کہتے تھے ان کا ایک شعر مشہور ہے۔

ملنا تمہ کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہے
کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

میر حسن ص ۱۲۳، سخن شعرا ص ۲۴۸

مرزا

ان کا نام ابو القاسم ہے حیدر آباد کے باشندے تانا شاہ کے مقرب تھے اور اورنگ زیب عالمگیر نے جب حیدر آباد فتح کیا تو فقیر ہو کر عبد اللہ گنج میں گوشہ نشین ہو گئے اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوا میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں ان کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

عارض نہیں چندر کا تمے گال سوں اچھا ‏ ‏ سمجھیں ہمن کلف کو نہ تجھ خال سوں اچھا

مرزا وہ نونہال کدھر مٹ گئے چمن
لگتا تھا جن کے ہاتھ یہ گل ڈال سوا اچھا
میر حسن: ص١٦٨

سلطنت عادل شاہیہ

سنہ ٨٩٥ھ — سنہ ١٠٩٧ھ

١. یوسف عادل شاہ	سنہ ٨٩٥ھ	سنہ ٩١٦ھ
٢. اسمٰعیل عادل شاہ	سنہ ٩١٦ھ	سنہ ٩٤١ھ
٣. ملو عادل شاہ	سنہ ٩٤١ھ	
٤. ابراہیم عادل شاہ اوّل	سنہ ٩٤١ھ	سنہ ٩٦٥ھ
٥. علی عادل شاہ اوّل	سنہ ٩٦٥ھ	سنہ ٩٨٨ھ
٦. ابراہیم عادل شاہ ثانی	سنہ ٩٨٨ھ	سنہ ١٠٣٧ھ
٧. محمد عادل شاہ	سنہ ١٠٣٧ھ	سنہ ١٠٦٧ھ
٨. علی عادل شاہ ثانی	سنہ ١٠٦٧ھ	سنہ ١٠٨٣ھ
٩. سکندر عادل شاہ	سنہ ١٠٨٣ھ	سنہ ١٠٩٧ھ

یوسف عادل شاہ کی اصلیت

سلاطین عادل شاہیہ کا سلسلۂ نسب روم کے سلاطین عثمانیہ سے ملتا ہے، مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان مراد

۱؎ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص١٢ طبقات اکبری میں سنہ ٩١٣ھ تحریر ہے۔ رفیع الدین شیرازی نے تذکرۃ الملوک میں اور اسد خان نے سراج التواریخ میں سنہ ٩٢٥ھ لکھا ہے۔ بساتین السلاطین ص٢٢

(۸۲۴ھ تا ۸۵۵ھ) کے دو فرزند تھے۔

محمد خاں و یوسف خاں ۸۵۵ھ میں جب سلطان مراد کا انتقال ہو گیا تو شاہزادہ محمدؒ بر سر حکومت ہوا اور اس خیال سے کہ شاہزادۂ یوسف کی وجہ سے تخت و تاج کے لئے آئندہ کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہو اس کے قتل کا حکم دیدیا، افسران سلطانی شاہزادۂ یوسف کے لئے اس کی ماں کے یہاں گئے تو اس نے شاہزادہ کو حوالہ کرنے کے لئے ایک روز کی مہلت لی اور اس عرصہ میں ایک ایرانی تاجر خواجہ عماد الدین گرجستانی کو بلاکر شاہزادے کو ایک کثیر دولت کے ساتھ اس کے حوالہ کر دیا تاکہ اسے دار الحکومت سے لے کر فرار ہو جائے اور شاہزادے کے بجائے ایک چرکس غلام کو جو شاہزادے کا بالکل ہم شبیہ تھا رات کو مسموم کر دیا اور صبح اس کی لاش افسران سلطانی کے حوالہ کر دی، غلام کا جنازہ سلطانی رسم و رواج کے موافق سپرد خاک کیا گیا اور خواجہ عماد الدین شاہزادہ یوسف کو لے کر اسی شب میں ترکوں کے دار الحکومت سے نکلا اور وہاں سے ایران میں آکر ساوہ میں پناہ گزیں ہوا

یوسف عادل شاہ کا ہندوستان میں آنا

خواجہ عماد الدین اور یوسف کئی سال تک ایران میں مقیم رہے اس کے بعد دونوں ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے، بندر ہرموز سے جہاز پر سوار ہو کر ۸۶۴ھ میں مصطفیٰ آباد و ابل پر اترے اور یہاں بہمنیوں کے دار السلطنت احمد آباد بیدر میں آکر خواجہ

لہ سلطان مراد سلطنت عثمانیہ کا چھٹا فرمانروا ہے اس کا جانشین سلطان محمد جسے اہل تاریخ فاتح قسطنطنیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۸۵۵ھ سے ۸۸۶ھ تک حکمراں رہا اس نے ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ فتح کیا تھا، مولانا جامی نے اس کی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں۔

محمود گاواں کے مہمان ہوئے، محمود گاواں نے یوسف کی سرگذشت بادشاہ سے بیان کی اور سفارش کر کے اسے شاہی چیلوں میں شامل کرادیا شاہزادہ یوسف نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھا اس لئے محمد شاہ بہمنی (۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ) کے دربار میں اسے بے حد تقرب حاصل ہوگیا یہاں تک کہ ۸۹۳ھ میں بادشاہ نے اسے جنیر کا صوبہ دار بنایا اس کے بعد بیجاپور کا سرلشکر مقرر ہوا اور مدت دراز تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا محمود شاہ بہمنی (۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ) کے زمانہ میں جب سلطنت بہمنیہ تباہی کے قریب ہوگئی تو احمد نظام الملک کی تحریک سے ۸۹۵ھ میں اس نے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی اور بیجاپور کو مستقر حکومت قرار دے کر اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔

سلطنت عادل شاہ کا ہندوستان میں قائم ہونا

یوسف عادل شاہ کے بعد اس کی اولاد میں یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کچھ کم دو سو برس حکومت قائم رہی۔[۱]

سلاطین عادل شاہیہ کا مذاق علمی

یوسف عادل شاہ اور اس کا جانشین اسمٰعیل عادل شاہ دونوں فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے مورخ فرشتہ نے

---

[۱] یوسف عادل شاہ کی اصلیت اور روم سے فرار ہوکر بیدر میں آنے اور بیجاپور میں برسرحکومت ہونے تک جو کچھ واقعات گذرے ہیں ان کی تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد دوم صـ۲ منتخب اللباب جلد سوم صـ۲۶۷ بساتین السلاطین صـ۵ ہنری کوزن کی انگریزی کتاب آرکی ٹیکچر آف بیجاپور کا ضمیمہ جس میں سلطنت عادل شاہیہ کے تاریخی حالات تحریر ہیں۔

اپنی تاریخ میں ان کا کلام نقل کیا ہے۔ اور اسمٰعیل عادل شاہ کی نسبت لکھا ہے۔

"ہیچ یک از سلاطین دکن مبانت و لطافت او سخن نہ گفتہ"

اسمٰعیل کے بعد ابراہیم عادل شاہ اور اس کے بعد علی عادل شاہ ہوئے ہیں، یہ دونوں بادشاہ ارباب کمال کے بڑے قدرداں تھے ان عہد میں عراق و عجم کے سینکڑوں اہل علم نے آکر بیجاپور کی سکونت اختیار کر لی تھی اور اس عہد میں یہ شہر ایران کا نمونہ بن گیا تھا۔

علی عادل شاہ نے ملا فتح اللہ شیرازی کو جسے علمائے عراق عقل حادی عشر کے لقب سے یاد کرتے ہیں ہزارہا روپیہ صرف کر کے شیراز سے بلایا تھا، اس کا وزیر افضل خاں شیرازی بہت بڑا عالم تھا اور اس کی فیاضیوں سے بیجاپور میں کثرت سے علما، و فضلا جمع ہو گئے تھے افضل خاں اور ملا فتح اللہ شیرازی کے مکانات روزانہ علمی جلسے ہوا کرتے تھے علی عادل شاہ ہفتہ میں تین بار دربار شاہی میں علما، و فضلا کو جمع کرتا تھا اور یہ لوگ بادشاہ کے روبرو علمی مباحثہ و مذاکرہ کیا کرتے تھے

ابراہیم ثانی جو علی عادل شاہ کے بعد تخت و تاج کا مالک ہوا ہے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے اس نے اپنے زمانے میں علم و ہنر کے پھیلانے میں جو کوششیں کی ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں، اس کے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے "مثلاً" نورالدین ظہوری جس کی نظم و نثر ساری دنیا میں مشہور ہے۔

ملا ملک قمی جس نے نظامی کی مخزن الاسرار کا جواب لکھ کر بادشاہ سے اس کے صلہ میں ایک بار شتر زر طلا حاصل کیا ہے
حکیم محمد قاسم فرشتہ جس نے بادشاہ کے حکم سے ہندوستان کی بے مثل و نظیر تاریخ لکھی ہے۔
عبدالرشید البستگی جس نے بادشاہ کی فرمائش سے علاالدین محمد بن زکریا قزوینی کی عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔
ملا رفیع الدین شیرازی جس نے بادشاہ کے ایما سے روضۃ الصفا کا خلاصہ لکھا ہے اور سلاطین بہمنیہ اور شاہان عادل شاہیہ کی ایک مبسوط تاریخ تذکرہ الملوک کے نام سے تصنیف
شیخ علم اللہ محدث خاتم المحدثین شہاب الدین ابن الحجر المکی کے شاگرد تھے اور بادشاہ کی طرف سے بیجاپور کی جامع مسجد علم حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔
ابراہیم ثانی کے بعد محمد عادل شاہ اور اس کے بعد علی عادل شاہ ثانی بر سر حکومت ہوئے ہیں یہ بادشاہ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح علم و فضل کے حامی اور سرپرست تھے، محمد عادل شاہ کا درباری شاعر حکیم آتشی تھا اس نے بادشاہ کے حکم سے خمسہ نظامی کا جواب لکھا ہے ملا رفیع الدین نے تذکرۃ الملوک میں سلاطین عادل شاہی کے حالات ابراہیم ثانی تک لکھے ہیں، بادشاہ کے ایما سے ملا محمد حسن نے اس کا تکملہ

لکھا اور اس میں محمد عادل شاہ کے حالات تحریر کئے، علی عادل شاہ ثانی کے زمانہ میں سید نور اللہ ولد قاضی سید علی محمد ایک زبردست انشا پرداز گذرے ہیں انہوں نے علی عادل شاہ ثانی کی تاریخ لکھی ہے اور اس میں اپنے چشم دید واقعات قلم بند کئے ہیں، اس کتاب کی عبارت رنگین ہے اور تمام فقرے مسجع و مقفیٰ ہیں۔

سلاطین عادل شاہیہ اور زبان اردو

سلطنت عادل شاہیہ کی بنیاد پڑنے سے مدتوں پہلے بیجاپور میں اردو زبان عام ہو گئی تھی امیر غریب ادنیٰ اعلیٰ سب اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے، سلاطین بہمنیہ نے یہاں کے شاہی دفتر کو بھی اسی زبان میں کر دیا تھا، لیکن یوسف عادل شاہ اور اس کے فرزند اسمٰعیل عادل شاہ نے اپنے زمانہ میں شاہی دفتر کو فارسی میں منتقل کر دیا تھا، کم و بیش پچاس سال فارسی عروج پر رہی، ابراہیم عادل شاہ اول نے جب تاج و تخت حاصل کیا تو اس نے حسب سابق فارسی کے عوض شاہی دفاتر میں زبان اردو کو رواج دیا اور یہ زبان سلطنت کی زبان قرار پائی، مورخ خافی خان نے اس واقعہ کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

و ابراہیم عادل شاہ دفتر فارسی کہ بجائے دفتر ہندی جد و پدر قرار دادہ باد برطرف نمودہ بدستور سابق ہندوی

مقرر نمود ند ؎۱

علی عادل شاہ اول (۹۶۵ھ ۹۸۸ھ) نے اپنے زمانہ میں پھر فارسی زبان کو مروج کیا لیکن جب ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ھ ۱۰۲۷ھ) حکمراں ہوا تو شاہی دفاتر میں پھر زبان اردو جاری ہوگئی اور سلطنت عادل شاہیہ کی تباہی تک برابر جاری رہی ؎۲

ابراہیم عادل شاہ کو موسیقی میں بے حد مہارت حاصل تھی خاص کر سرود ہندی میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اس عہد کے تمام گویے اسے "جگت گرو" کہا کرتے تھے۔ اس نے علم موسیقی میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں سرود ہندی کے قواعد و ضوابط قلمبند کئے تھے اور اس کا نام نورسنامہ رکھا تھا، یہ کتاب نظم دکنی میں تھی، ملا ظہوری نے فارسی میں اس دیباچہ لکھا تھا جو اس وقت بھی موجود اور سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے۔

علی عادل شاہ ثانی کو زبان اردو سے بیحد دلچسپی تھی اس کے زمانہ میں شعر و شاعری کا خوب چرچا تھا، اردو گو شعرا کثرت سے پیدا ہو گئے تھے، بادشاہ ان کے ساتھ خاص مراعات کیا کرتا تھا، اور ان سے اردو میں بہت سی کتابیں لکھوائی تھیں اور ان کے صلہ میں

؎۱ منتخب اللباب جلد سوم ص۳۰ مورخ فرشتہ اور قاضی ابراہیم زبیری نے بھی قدرے اجمال کے ساتھ اس واقعہ کو تحریر کیا ہے دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۲۰ بساتین السلاطین ص۱۹ ؎۲ سلسلہ آصفیہ جلد چہارم ص۱۲۵

رقومات کثیر عطا کئے تھے. چنانچہ مورخ خافی خاں نے لکھا ہے

بادشاہے بود باہوش سپاہ دوست و در سخاوت و شجاعت وسعت خلق مشہور. فضلا و صلحا را دوست داشتے و شاعران را حرمت نمودے خصوص در حق شاعران ہندی زیادہ مراعات میفرمود در عہد او ترجمہ یوسف زلیخا تالیف ملا جامی و ترجمہ روضۃ الشہدا و قصہ منوہر و مدمالت کہ عاقل خاں خوانی بہ نظم در آوردہ ملا نصرتی و دیگر شاعراں بیجاپور بہ زبان دکنی تالیف نمودہ از نقد و جنس صلہ وافر در خور سلاطین یافتند.

در جملہ شعرائے بیجاپور آں عہد میرزا تخلص شاعرے بود کہ زبان خود را وقف حمد و نعت سید المرسلین و منقبت ائمہ الطاہرین نمودہ ہرگز برائے احدے از شاہ و گدا شعر نہ گفت و مرثیہ بیشمار کہ در ماتم شہدائے کربلا گفتہ زباں زد خاص و عام مردم دکن و دیگر بلاد گردیدہ، روزے علی عادل شاہ میرزا را بحضور خود طلبیدہ بعد عنایات بے پایاں تکلیف نمود کہ در مدح بادشاہ زبان آشنا سازد در جواب التماس نمود یک دو مرثیہ از زبان سلطان بجائے اسم خود تخلص علی عادل شاہ قسمی داخل نمود کہ ذو معنی واقع شدہ" [1]

ابراہیم زبیری نے علی عادل شاہ کے اوصاف و محاسن کو بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ

---

[1] منتخب اللباب جلد سوم ص ۳۵۹ تا ۳۶

شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند و خانہ بخانہ ہنگامہ
شعر گوئی تازہ گرم داشتہ اند از اں طبقہ یکے میاں نصرتی است
کہ بہ نصرت وقار و مساعدت ذہن ثاقب تیغ زبان کشیدہ فتح
اقلیم سخنوری کردہ بملک الشعرائی حکم شد،،[1]

حاکم شاہ نور نواب دلیر جنگ بہادر کے حکم سے میر احمد علی خاں نے
سنہ ۱۲۷۷ھ میں سلاطین بیجاپور کی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام گلدستہ[2]
بیجاپور ہے اس میں علی عادل شاہ ثانی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس
کے درباری شعراء کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے۔

شعر گویان تازہ خیال اس بادشاہ نکتہ سنج کے دربار فیض بار میں
حاضر رہا کرتے تھے، چنانچہ میاں نصرتی کہ خیال رنگین و اشعار تازہ
مضامین اس کے مقبول خاص و عام کے ہیں اور شعرائے زماں میں
ملک الشعراء سے مشہور ہے اور طبع زاد سے اپنے کتاب گلشن عشق
اور علی نامہ نام سے اس شہریار عالی وقار کے تصنیف کیا ہے
جو کوئی نسخہ زبان ہندی میں اس خوبی اور تازہ مضمونی سے
نہیں بنا ہوگا۔

ملا نصرتی شاعر ہندی گو تھا۔ وہ شاہ نور اللہ و مرزا مقیم و مرزا
دولت شاہ و حکیم آتشی اکثر فارسی گو تھے اور ہندی شعر بھی کہتے تھے
اور سوائے انہوں کے بہت شعرا فارسی گو اور ہندی گو بھی تھے۔ چنانچہ ایک

۱؎ بساتین السلاطین ص ۱۴۳ ۲؎ گلدستہ بیجاپور طبع شاہ نور ۱۲۷۹ھ ص ۷۶ و ص ۷۷ و ص ۷۸

ان میں سے ہاشمی تھا کہ احسن القصص کو زبان ہندی سے شعر پردازی کر کے داد سخن کا دیا ہے اور رسالہ نجات نامہ بھی نتائج طبع سے اس کے ہے، اور عبداللطیف و عبدالنبی اکثر قصائد بفصاحت و بلاغت تمام زبان فارسی سے کہے ہیں، الغرض اس شہریار عالی تبار کے عصر میں بیجاپور معمور تھا، اور شعرا، و فضلا، و زہدا و صلحا، و اولیا، جمیع اہل فنون بارگاہ سلطنت میں اس کے حاضر تھے۔

دربار عادل شاہی کے شعرا، کی تعداد اگرچہ سینکڑوں سے متجاوز ہوگی مگر تذکرہ نویسوں کی بے التفاتی سے ان کے نام تک ناپید ہو گئے ہیں، بعض نام تاریخوں میں ضمناً آ گئے ہیں، بعض کا پتہ ان کی ان تصانیف سے چلا ہے جو زمانہ کی ناقدری کے باعث تباہ و برباد ہونے کے قریب ہو گئی ہیں، ان میں سے ذیل کے شعرا نے بیجاپور میں خاص شہرت حاصل کی ہے۔

—⁂—

شعرائے بیجاپور

شاہ میراں جی شمس العشاق

آپ بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں۔ خواجہ کمال الدین بیابانی کے خلیفہ تھے خواجہ صاحب نے شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل کی تھی شیخ جمال الدین خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز کے خلفا سے تھے۔

حضرت میراں جی نے بارہ حج کئے اور یوسف عادل شاہ کے عہد میں آکر بیجاپور میں سکونت اختیار کی۔ ۲۵ شوال ۹۰۲ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ کا گنبد حصار بیجاپور کے باہر شاہ پور میں ایک ٹیلہ پر واقع ہے

مرزا فصیح الدین خاکسا المعروف بہ بابا سبحل جو تصوف اور شعر و سخن میں سرآمد روزگار اور دکن کے امیر خسرو تھے آپ ہی کے خلیفہ اور تربیت یافتہ ہیں حضرت میراں جی نے اردو نظم و نثر میں کئی رسالے لکھے ہیں اور ان میں تصوف کے اسرار و نکات کو بیان کیا ہے۔ منجملہ ان نظم میں دو رسالے زیادہ مشہور ہیں۔ گنج العرفان اور شہادۃ التحقیق گنج العرفان چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں نو باب ہیں اور ان میں عرفان کے اہم مسائل مثلاً روح کی حقیقت۔ مراقبہ عقل و عشق کا مناظرہ موحد و ملحد کا فرق اور اسی نوعیت کے دیگر مضامین ہیں۔ شہادۃ التحقیق میں

اخلاق تصوف کے رموز و حقائق کا تذکرہ ہے۔

روضۃ الاولیائے بیجاپور ط ۱۲ تاریخ خورشید جاہی ص ۱۲۳ رسالہ اردو جلد ہشتم ط ۱۷
رسالہ گنج العرفان ۱۲۹۱ھ میں باہتمام شاہ نور محمد رام کے مطبع میں طبع ہوا ہے

ملک خوشنود

سلطان محمد عادل شاہ کا درباری شاعر ہے یہ اصل میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کا حبشی غلام تھا۔ ۱۰۴۲ھ میں محمد عادل شاہ کے ساتھ امیر محمد امین ابن ابراہیم قطب شاہ کی دختر فاطمہ سلطانہ شہربانو بیگم کا عقد ہوا اور دلہن گولکنڈہ سے بیجاپور کو روانہ ہوئی تو سلطان عبداللہ نے اس کے جہیز میں ملک خوشنود کو بھی شامل کر دیا۔ اور اس نے اپنے خدمات لائقہ اور حسن کارگزاری کے باعث بادشاہ اور ملکہ دونوں کے یہاں حد سے زیادہ تقرب حاصل کر لیا یہاں تک کہ امور سلطنت میں رازداری کے مواقع پر حجابت کے فرائض بھی انجام دینے لگا، چنانچہ ۱۰۴۵ھ میں ایسے ہی موقع پر عادل شاہ نے اسے ایلچی بنا کر سلطان عبداللہ کے یہاں روانہ کیا۔ اس حجابت کا واقعہ یہ ہے۔ کہ خواص خاں عادل شاہی سلطنت کے امرائے عظام میں سے تھا اور محمد عادل شاہ کے عہد میں اسے ایسا اقتدار حاصل ہو گیا تھا کہ سلطنت کے سیاہ و سپید کا مختار بن بیٹھا تھا۔ محمد عادل شاہ نے جب اس کے استیصال کرنے کا ارادہ کیا تو سلطان عبداللہ نے اس موقع پر امداد روانہ کی اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے

عادل شاہ نے بیجاپور سے ملک خوشنود کو سلطان عبداللہ کے یہاں گولکنڈہ
بھیجا اور جب گولکنڈہ سے واپس ہوا تو سلطان عبداللہ نے ملا خواصی
کو اس کے ہمراہ کر دیا، ان تمام واقعات کو ملا نظام الدین احمد نے
حدیقۃ السلاطین میں تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

ملک خوشنود کہ از مکان این دولت خانہ گیتی نشانہ بود و در وقت
ارسال پالکی زرنگار مبارکہ بلقیس الزمانی او را داخل ملکان و
خواجہ سرایان جہاز کردہ بودند، و در راہ بیجاپور از وفور خدمات
شائستہ از خواجہ ہائے دیگر اتیاز بہم رسانیدہ بود و در خدمت ملک
عالمیان قرب و منزلت زیادہ یافتہ بواسطہ شکر گذاری امداد و
اعانتی کہ واقع شدہ بود با تحف و ہدایا و سہ زنجیر فیل و شش
راس اسپ فرستادند۔ و بعد از یک چندے ملا خواصی شاعر دکنی
را رفیق او ساختہ با تحفہ و یادگار روانہ بیجاپور ساختند و بعد
از قتل خواص خاں حضرت عادل شاہ میر زین العابدین پسر
شاہ ابوالحسن حاجب مقیمی را ہمراہ ملا خواصی شاعر نمودہ دو زنجیر
فیل بزرگ و شش سر اسپ عراقی و دو صندوق مقفل از تحف
و ہدایا ارسال داشتند و مشار الیہما بشرف بساط بوسی مشرف
و سرفراز گردیدند۔

ملک خوشنود نے سلطان محمد عادل شاہ کی فرمائش سے ۱۰۴۵ھ
میں ہشت بہشت کا دکنی میں منظوم ترجمہ کیا ہے، ہشت بہشت امیر

خسرو کی مشہور مثنوی ہے اور اس میں بہرام گور کا فسانہ مذکور ہے ترجمہ
کی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

سراؤں بجھ کو جو توں ہے پاک معبود ہوا سب خلق و عالم تجھ سوں موجود

حدیقۃ السلاطین ص۲۴۷ و ص۲۴۹ بلوم ہارٹ برٹش میوزیم نمبر ۵ ربلوم ہارٹ
نے ہشت بہشت کے مصنف کا نام محمد شاہ لکھا ہے جو غلط ہے۔

رُستمی

رستمی کا نام کمال خاں اور اس کے والد کا نام اسمٰعیل خاں
ہے، باپ اور بیٹے دونوں سلاطین عادل شاہیہ کے دربار میں
دارالانشاء کی افسری پر مامور تھے اور بادشاہ نے انہیں خطاطہ
خاں کا خطاب دیا تھا۔ ڈی ٹاسی نے اس کا تخلص رسمی لکھا
ہے لیکن یہ غلطی ہے۔

رستمی نے خدیجہ سلطانہ شہر بانو بیگم کی فرمائش سے ۱۰۵۹ھ
میں خاور نامہ کا فارسی سے نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے، یہ بیگم امیر
محمد امین ابن سلطان ابراہیم قطب شاہیہ کی دختر تھی ۱۰۴۲ھ
میں بعہد سلطان عبداللہ قطب شاہ ابوالمنصور سلطان محمد
عادل شاہ کے ساتھ اس کا عقد ہوا تھا۔

خاور نامہ نظم ہے اور شاہنامہ فردوسی کے جواب میں لکھا
گیا ہے۔ اس امیر المومنین جناب علی علیہ السلام کے محاربات مذکور

ہیں، محمد بن حسام الدین الخوافی نے ۸۳۰ھ میں اسے تصنیف کیا ہے اور اس کے باعث اس نے فردوسی ثانی کے لقب سے شہرت حاصل کی ہے۔ ابن حسام کا سن وفات دولت شاہ نے ۸۳۷ھ اور خوندمیر نے ۸۹۳ھ لکھا ہے لیکن صحیح تاریخ ۸۷۵ھ ہے۔

بلوم ہارٹ نے خاور نامہ کی ابتدا، اور اختتام کے حسب ذیل ابیات نقل کئے ہیں۔

آغاز

اول جب کیا یو کتاب ابتدا — بندیا بات میں نقش نام خدا
جو صاحب ہے او عقل ہور جان کا — کیا دین بخشش او ایمان کا
او ہے ایک صاحب ابر ہور نلیں — جو ہستی پر اس کی گواہیں ہمیں

خاتمہ

خاور نامہ دکنی کیتا ہوں نام — ہوا خاوران پر قصہ سب تمام
اس او پر بہوت گذرے گا روزگار — اچھے گا یو دنیا میں ہو یادگار
تو اس نامے کوں نامہ شاہ جان — دوجے ناماں پہ شاہ دنخواہ جان

ڈی ٹاسی جلد دوم ص۵۶۹ ایتھے نمبر ۱۹۶۸۔ ریو جلد دوم ص۶۲۴ بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر ۳۵ حدیقۃ العالم جلد اول ص۲۴۳ حبیب السیر جلد سوم جزء دوم ص۲۳۹

نصرتی

نصرتی کا نام شیخ نصرت اور وطن بیجاپور ہے ان کے آباو اجداد

بیجاپور میں فوجی ملازم اور والد رکاب شاہی کے سلحدار تھے۔ چنانچہ خود نصرتی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

کہ تھا مجھ پدر سو شجاعت یا آب   قدیم ایک سلحدار جمیع رکاب

نصرتی کے بھائی شیخ منصور ایک اہل دل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، بیجاپور کے مشاہیر فقرا میں ان کا شمار ہوتا ہے، رنگینہ باغ کے قریب سید شاہ عبدالرزاق قادریؒ کی درگاہ میں ان کا مزار اب تک موجود ہے۔

گلشن عشق کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصرتی نے محمد عادل شاہ کے (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ) زمانہ میں دربار میں رسائی حاصل کی علی عادل شاہ (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے دور میں عروج پایا اور ملک الشعراء کا خطاب حاصل کیا۔

نصرتی کی تصنیفات سے تین مثنویاں ہیں، ایک قصائد کا مجموعہ اور ایک غزلیات کا دیوان ہے، مثنویوں کے نام یہ ہیں (۱) علی نامہ (۲) گلشن عشق (۳) گلدستۂ عشق یہ تینوں کتابیں ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھیں، پروفیسر ڈی ٹاسی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

علی نامہ تاریخی نظم ہے، اس میں نصرتی نے علی عادل شاہ کے سوانحات، فتوحات اور مجالس عیش و طرب کے واقعات بیان کئے ہیں اور ان کے ضمن میں مختلف مواقع پر قصائد مدحیہ بھی درج ہیں، مارلے نے اپنی فہرست مخطوطات تاریخی میں اس کا نام تاریخ علی عادل شاہ لکھا ہے، لیکن نصرتی نے شاہنامۂ دکن کے نام سے

اس کا ذکر کیا ہے، چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے۔

ہوں کیتا سخن مختصر بے گماں — کہ یو شاہنامہ دکن کا ہے جان

علی نامہ کا ہم نے جو نسخہ دیکھا ہے اس میں سن تصنیف درج نہیں ہے لیکن مختلف قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۷۶ھ کے بعد تمام ہوئی ہے کیونکہ اس میں سب سے اخیر واقعہ پنالہ کی فتح کا مذکور ہے اور اس مقام کو علی عادل شاہ نے ۱۰۷۶ھ میں فتح کیا ہے، اور اس واقعہ کی یادگار میں نصرتی نے بھی دکنی زبان میں ایک تاریخی کہی ہے جو ابراہیم زبیری کی تاریخ میں درج ہے۔

علی نے پل میں پنالہ لیا صلابت سوں

علی نامہ کی ابتدا ایک قطعہ سے ہوئی ہے جو درج ذیل ہے

حمد اول ہے خدا کا کہ جن نے روز ازل
دیا ہے ہمت مرداں کوں جوں توفیق سوں بل
رکھیا اس فتح کے نانے کا علی نامہ نانوں
جس کا ہر رزم رستم کے گئے ہوئے ہیکل

اس کے بعد مثنوی کا آغاز حسب ذیل بیت سے ہوا ہے۔

سراناسری اس سکت دار کوں — کہ ادھار ہے ان نرادھار کوں

خاتمہ ان اشعار پر ہوا ہے۔

انا نصرتی ختم کر یو کلام — دعا سوں ہے تج مدعا تمام
الٰہی جلنگ تیغ سوں آفتاب — دبا دے ستارے کوں نرکِ مہ پوداب

تلک جس سوں یہ نسخہ منظفر اچھو　　دندیاں پر سدا تیغ تس وار اچھو

گلشن عشق میں منوہر و مدمالتی کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے۔ اس میں کم و بیش چار ہزار اشعار ہیں اور سنہ ۱۰۶۸ھ میں تمام ہوئی ہے۔ خاتمہ میں تاریخ اختتام کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

دہریا اس کی تاریخ کا جب خیال　　وہیں ہاتف غیب معجز مقال

کہیا اس کی تاریخ میں ہجرتی　　"مبارک ہے یو ہدیہ نصرتی"

اس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

صفت اس کی قدرت کی اول سراؤں　　دہریا جس نے یو گلشن عشق ناؤں

کیا کر کرم عشق کا تس اچھال　　یو باغ آفرینش کا پکڑیا جمال

عجب کوئی توں باغبان جہاں　　جو صنعت میں تجھ چل سکے نا زباں

عاقل خان رازی نے بھی منوہر و مدمالتی کے فسانہ کو سنہ ۱۰۶۵ھ میں فارسی میں نظم کیا اور مہر و ماہ اس کا نام رکھا ہے

حدیث روشن دل خواہ گویم　　سخن از عشق مہر و ماہ گویم

کنم عشق منوہر را کتابے　　دہم از نام مہر آنرا خطابے

نوائی حسن مدمالت سرایم　　دلے از پردۂ ماہش نمایم

ز ہجرت یک ہزار و شصت و پنج است　　کزیں غم خانہ طبعم نکتہ سنج است

چو من ایں داستاں از غم زدم دم　　بخواں تاریخ آں "دیباچہ غم"

خافی خاں نے گلشن عشق کو اسی مثنوی کا ترجمہ سمجھا ہے، لیکن نصرتی نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ مثنوی مہر و ماہ کا ترجمہ ہے

یا اس سے ماخوذ ہے۔

قصائد و غزلیات کے مجموعے اس وقت نا پید ہیں لیکن ابراہیم زبیری کے زمانہ میں موجود اور مروج و متداول تھے اور ان میں قصائد و غزلیات کے علاوہ نظم کے دوسرے اصناف بھی موجود تھے۔

نصرتی کی تصنیفات میں ایک قصیدۂ نعتیہ بھی شامل ہے جس کے ایک سو اکیس شعر ہیں۔ اس میں معراج کے حالات مذکور ہیں جس کے باعث وہ معراج نامہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قصیدہ سلطان محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ھ ۱۰۶۷ھ) کے عہد میں لکھا گیا ہے۔ اس کے خاتمہ میں نصرتی نے بادشاہ کی مدح و ستائش کی ہے اور اخیر میں اپنا تخلص اس طرح لایا ہے

شہ کی ثنا نصرتی نغز و نول یوں لکھی
دور کے دفتر اوپر پر اچھے ہر یک بچن

گل رعنا کے مصنف نے اس کا ایک نسخہ دیکھا ہے جو ۱۰۸۳ھ میں بمقام اکبر آباد مکتوب ہوا ہے۔ اور چند اشعار اس سے انتخاب کر کے اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں۔

نصرتی کا ۱۰۹۵ھ میں انتقال ہوا ہے اور ان کی لاش سید شاہ عبد الرزاق قادری کی درگاہ میں شیخ منصور کے مزار کے قریب مدفون ہے

ابراہیم زبیری نے نصرتی کے کلام کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کی مضمون آفرینی زور طبع اور اوج تخیل کو خاقانی کے ہم پایہ قرار دیا ہے

ڈی ٹاسی جلد دوم ص ۴۸۵ اسٹوارٹ ص ۱۸۰ و ص ۱۷۹ اسپرنگر ص ۶۳۳ مالے ص ۷۹ ولسن
جلد دوم ص ۳۹۰ ایتھے نمبر ۱۶۳۴ بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر ۳۶ و ۴ ۱۰ و ۱۰۵ و ۱۰۶ و ۱۰
۱۰۷ بلوم ہارٹ برٹش میوزیم نمبر ۴۵ و ۴۶ ریو جلد دوم ص ۷۰ جلد سوم ص ۸۰۳ منتخب
اللباب جلد سوم ص ۳۶ بساطین السلاطین ص ۴ و ص ۳۷۶ و ص ۳۰۸ و ص ۳۰۹ گلدستہ
بیجاپور ص ۷۶ ترجمہ انوار سہیلی ص ۱۱ سلسلہ آصفیہ جلد ہشتم ص ۱۶۵ گل رعنا ص ۲۶ و ص ۷۹
لسان العصر جلد اول نمبر ۳ ص ۱۱۱ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم ۔

شاہ ملک

شاہ ملک بیجاپور کے باشندے اور سلطان علی عادل شاہ (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں، انہوں نے ایک رسالہ مسائل دین کے متعلق نظم دکنی میں لکھا ہے اور اس میں نماز کے فرائض و احکام بیان کئے ہیں یہ رسالہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے اور ۱۰۷۷ھ میں تمام ہوا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے ۔

یو مسلیاں کوں دکنی کیا اس سبب — فہم کر کے دل میں کرے یاد سب
سو بولتیں الف ہے و میم لام کاف — فرس کوں دکنی میں بولیا ہے صاف
سن یک ہزار ہور ستر یو سات — کیا تھا اسی سال میں یو نکات

اس کی ابتدا اشعار ذیل سے ہوئی ہے

الٰہی دے توفیق توں انسان کوں — کریں بندگی تیری دل جان سوں
تو پیدا کیا محض بندگی کے تیں — سو اد چھوڑ ٹکڑے ہیا گندگی کے تیں

بلوم ہارٹ نے اس رسالہ کا نام شریعت نامہ لکھا ہے، لیکن اس ایک قلمی نسخہ ۱۱۱۱ھ کا لکھا ہوا ہماری نظر سے گذرا ہے اس کے خاتمہ پر اس کا نام احکام الصّلوٰۃ تحریر ہے۔

بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر (۳)

امین

امین شیخ امین الدین اعلیٰ کا تخلص ہے، آپ بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں اور علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں گذرے ہیں شاہ میراں جی شمس العشاق آپ کے دادا تھے ۱۰۸۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے، آپ پر شب و روز محویت و استغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی اور جب کبھی اس کیفیت میں غلبہ ہوتا تو آپ نظم میں عرفان کے حقائق و اسرار ارشاد فرماتے تھے آپ کے مریدوں نے ان اشارات کو جمع کیا ہے اور اس مجموعہ کا نام جواہر الاسرار رکھا ہے، میں نے اس کا ایک نسخہ د بلور میں دیکھا ہے جس کا حجم پانسو صفحات سے زیادہ ہے اور اس میں کثرت سے چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں، منجملہ ان کے بعض مثنویوں کے نام یہ ہیں۔ رموز السالکین۔ محبت نامہ۔ مفتاح التوحید، رسالہ وجودیہ وغیرہ۔ رسالہ قربیہ

روضۃ الاولیائے بیجاپور صفحہ ۱۲۲

تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۱۹۴

سیوا

ان کا وطن گلبرگہ تھا لیکن بیجاپور میں رہا کرتے تھے علی عادل شاہ ثانی (سنہ ۱۰۶۷ھ تا سنہ ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں انھوں نے سنہ ۱۰۹۲ھ میں روضۃ الشہدا کو نظم دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اس کے بعد قانون اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں عبادات کے احکام و مسائل تحریر ہیں ان کے علاوہ بہت سے مرثئے بھی لکھے ہیں جو بقول مولانا آزاد دکن کے امام باڑوں میں اب تک پڑھے جاتے ہیں۔

روضۃ الشہدا مولانا کمال الدین حسین الواعظ کی تصنیف ہے مولانا حسین واعظ ہرات کے باشندے اور اپنے عہد کے مشہور واعظ ہوئے ہیں۔ سلطان حسین مرزا کے معاصر تھے سنہ ۹۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ انوار سہیلی۔ اخلاق محسنی تفسیر حسینی وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات سے ہیں روضۃ الشہدا شہدائے کربلا کے حالات میں ایک مشہور اور مقبول عام کتاب ہے سیوا کے بعد دکن کے عام شعراء نے ان واقعات کو منظوم کیا ہے ان سب کا ماخذ بھی یہی فارسی کتاب ہے۔

ڈی ٹامی جلد سوم ص ۱۴۲ اسٹوارٹ ص ۱۸۱ آب حیات ص ۲۷ لسان العصر جلد اول ص ۱۱۶ حبیب السیر۔ جلد سوم۔ جز سوم ص ۳۴۱

—

مومن

ان کا نام عبدالمومن ہے، چیناپٹن کے باشندے تھے
یہ شہر علاقہ میسور میں واقع ہے جو عالمگیر کی فتوحات سے پہلے عادل
عملداری میں شامل تھا، مومن مہدوی مذہب کے پابند تھے انہوں
نے عشق نامہ کے نام سے دکنی میں ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے اور اس
میں اپنے ہادی و پیشوا حضرت سید محمد صاحب جونپوری کے حالات
و کرامات تحریر کیے ہیں، یہ کتاب ۱۰۹۳ھ میں تمام ہوئی ہے
خاتمہ میں کتاب کا نام اور اختتام کی تاریخ اس طرح مذکور ہے
کہ جس کے فیض کا لے پاک خامہ
لکھیا ہیں ختم کر یو عشق نامہ
ہوا جب یو مبارک ختم مجھ فال
ہزار ایک ہور نو د پر تین تھے سال
ابتدا کے چار بیت یہ ہیں۔

بکھانو حمد اس معشوق کا آج
کیا جی عاشقاں کیرا انول کا ج
انا المحبوب کا کر جشن عام آں
پٹھایا عشق کا نازک پیام آں
انتم الفقر کیرا جبلہ خاص
محبت سوں سنوار یا بخش اخلاص
تجمل باج او خالی نہو سی
کہ ہے وہ جلوہ گاہ نو عروسی

اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے (فن سوانحمری
نمبر ۲۵۰- اس کی کتابت ۱۱۲۳ھ میں تصنیف سے تیس سال بعد میں ہوئی
ہے اور اس کے خاتمہ پر فارسی زبان میں ایک قطعہ تاریخ درج ہے

اس میں کتاب کو اسرار عشق کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ہاشمی

ان کا نام سید میراں اور وطن بیجاپور ہے علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۲ھ) کے عہد میں گذرے ہیں، سید شاہ ہاشم علوی کے مرید تھے اور اسی مناسبت سے ہاشمی تخلص کرتے تھے، شاہ ہاشم بیجاپور کے مشاہیر اولیا سے ہیں، شاہ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے تھے ۱۰۵۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

ہاشمی نے اپنے مرشد کی فرمائش سے یوسف زلیخا کا فسانہ منظوم کیا ہے۔ خافی خاں نے اپنی تاریخ میں اور محمد ابراہیم نے ترجمۂ انوار سہیلی کے دیباچہ میں اس کا ذکر کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثنوی دکنی لٹریچر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

یہ مثنوی انقراض سلطنت عادل شاہی سے کم و بیش ایک سال اور شاہ ہاشم کی وفات کے چالیس سال بعد ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے، چنانچہ خاتمہ میں تاریخ اختتام کا اس طرح ذکر آیا ہے

مرتب کیا میں یہ قصہ کو تو ہزار اک برس پر تجھے نود و نو

اس میں چھ ہزار سے زیادہ ابیات ہیں اور آغاز اس کا حسب ذیل بیت سے ہوا ہے۔

ثنا حمد اسکوں سزاوار ہے کہ گل عشق جس کا یو سنار ہے

اس مثنوی کا ایک نسخہ ۱۵۔ ربیع الاول ۱۱۶۷ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں موجود ہے اور دو نسخے جرمنی کی اورینٹل سوسائٹی کے کتبخانہ میں محفوظ ہیں۔

ہاشمی نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا جس میں قصائد وغزلیات کے علاوہ مرثیے اور قطعات اور رباعیات بھی تھے۔ یہ مجموعہ اس وقت نایاب ہے لیکن جن لوگوں نے اسے دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں جسقدر غزلیات ہیں ان کا بیشتر حصہ ریختہ کی بجائے ریختی میں ہے اور اس میں عورت کا عشق مرد کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔

تذکرہ شعرائے دکن میں ہاشمی کا سال وفات ۱۱۹۰ھ تحریر ہے لیکن یہ تاریخ یقیناً غلط ہے کیونکہ ہاشمی شاہ ہاشم کے مرید اور علی عادل شاہ کے معاصر ہیں اور تاریخ مذکور اس عہد سے سو سال بعد کی ہے، مصنف گل رعنا نے بھی اس غلطی کو محسوس کیا ہے اور بجائے ۱۱۹۰ھ کے ۱۰۹۰ھ قرار دیکر اس کی تصحیح کی ہے، لیکن یہ تاریخ بھی غلطی سے مبرا نہیں ہے کیونکہ ۱۰۹۰ھ کے نو سال بعد ۱۰۹۹ھ میں ہاشمی نے مثنوی یوسف زلیخا لکھی ہے، حقیقت میں ہاشمی کے انتقال کی صحیح تاریخ ۱۱۰۹ھ ہے جس کو مصنف کتاب اعراس بزرگاں نے لکھا ہے۔

ابراہیم زبیری نے ہاشمی کا تذکرہ الفاظ ذیل میں تحریر کیا ہے۔

"دیگر از جملہ ہندی گویاں آن زماں یکے میاں ہاشمی است کہ فیض لعاب دہن مبارک حضرت سید شاہ ہاشم قدس سرہ زبان شیریں بیان کشادہ از سخنوران گوئے سبقت ربودہ قصہ یوسف زلیخا را بہ محاورہ آں زماں

بزبان دکھنی نظم نمودہ و دیوان غزل مشتمل بر مضامین سنجیدہ و تلاشات شعریہ ہم دارد کہ مقبول طبائع افتادہ در شعر طرازی نادرہ روشنی غریب ورزیدہ کہ کسی بر و سبقت نہ کرد با وجودیکہ بصیر مادر زاد و بصیرت چشم بینا۔

فہرست کتبخانہ جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد دوم ص۹۶ بساتین السلاطین ص۳۲۔۱۴۳ منتخب اللباب جلد سوم ص۳۶ تحجۃ النوادر بیحلی ص۱۱ روضۃ الاولیاء ص۹۴ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم ص۱۲۰۲ گل رعنا ص۷۲ لسان العصر جلد اول ص۱۱۱۔

مرزا

ان کا وطن بیجاپور ہے نصرتی اور علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں، صرف مرثئے اور نعت و منقبت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے تمام عمر اپنی زبان کو کسی کو امیر یا بادشاہ کی مدح و ستائش سے آلودہ نہیں کیا ایک دفعہ علی عادل شاہ نے ان سے اپنی مدح کہنے کی فرمائش کی اور اس پر تکرار اصرار کیا تو مرزا نے ایک دو مرثیے لکھے اور اس اپنے تخلص کے بجائے بادشاہ کا نام درج کر دیا۔

مرزا نے علی عادل شاہ کے زمانے میں وفات پائی ہے اور ابراہیم زبیری نے لکھا ہے کہ مرزا نے محرم میں دسویں شب مجالس عزا میں مرثیہ خوانی کی علی الصباح طہارت کے لئے باہر نکلے تو ان کے کسی دشمن نے خنجر سے شہید کر دیا دن نکلے کے جب شہر کے علم اور تعزیے نکلے تو ان کے پیچھے مرزا کا جنازہ بھی نکالا گیا، اور شہر کے باہر شاہ مرتضیٰ قادری کے مقبرے میں ان کی لاش سپرد

خاک کیگئی۔ منتخب اللباب جلد سوم ص ۳۶ بساتین السلاطین ص ۳۳۴ گل رعنا ص ۲۷

شعرائے دکن

مغلوں کے عہد حکومت میں

دکن کی سلطنتوں کی تباہی اور ملک پر مغلوں کا تسلط

شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) نے پہلے پہل ۹۹۵ھ میں دکن پر حملہ کیا اور اس کے بعد شاہان مغلیہ کی پے در پے یورشیں ہونا شروع ہوئیں ۱۰۴۵ھ میں شاہجہان بادشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ) نے فوج کشی کی اور کئی معرکوں کے بعد احمد نگر پر قبضہ کر لیا۔ اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ) اپنے ایام حکمرانی میں ۱۰۹۰ھ سے ۱۰۹۹ھ تک کچھ کم دس برس شاہان دکن کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف رہا ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت پر قبضہ کیا اس کے بعد سلطنت قطب شاہی پر فوج کشی کی اور کامل نو مہینے کی معرکہ آرائی کے بعد ۲۳ ذی القعدہ ۱۰۹۹ھ کو گولکنڈہ فتح ہوا اور اس ان عظیم الشان سلطنتوں کا خاتمہ ہو گیا۔

گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں شعرائے اردو کے ساتھ بیحد مراعات کئے جاتے تھے اور انہیں اپنی تصنیفات کے صلہ میں ہزار ہا روپیہ انعام ملا کرتا تھا امراء و سلاطین دکن کی قدر دانیوں نے ان میں یہ مذاق پیدا کیا تھا، اس لئے اندیشہ تھا کہ ان حکومتوں کے خاتمہ کے ساتھ اردو

شاعری کا بھی خاتمہ ہو جاتا، مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا سبب اس کا یہ تھا کہ اس زمانہ میں زبان اردو دکن میں عموماً اور مسلمان دکن میں خصوصاً اس قدر عام ہو گئی تھی کہ بات چیت اور لین دین خط و کتابت یہ تمام باتیں اسی زبان میں ہو اکرتی تھیں ایسا شخص شاذونادر ہی نکلتا جو فارسی یا کسی اور زبان کو استعمال کرتا تھا، زبان اردو کے عام ہونے کی وجہ سے تمام ملک میں اردو شعر و شاعری پھیل گئی تھی اور بلا کسی امید صلہ کے تمام ذی استعداد اسکی طرف رجوع ہو گئے تھے۔ اور محض اپنے ذاتی شوق اور رجحان کے باعث اس کو اپنا مشغلہ بنا لیا تھا اور ان سلطنتوں کی تباہی کا اس پر کوئی اثر نہ پڑ سکا اور یہ مذاق سخن اپنی حالت پر برابر قائم اور بر قرار رہا۔

مغلیہ تسلط کے بعد دکن میں جن شعرا نے شہرت حاصل کی ہے ان کے نام اور تصنیفات کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

مقیمی

دکنی شاعر ہیں، عالمگیری فتوحات کے زمانہ میں کرناٹک میں گذرے ہیں، ان کی تصنیفات سے دو چھوٹے چھوٹے فسانے موجود ہیں۔

(۱) قصہ چندر بدن و ماہ یار۔ ماہ یار ایک مسلمان تاجر کا لڑکا تھا چندر بدن۔ راجہ رنگا پتی والی سدر پٹن کی دختر تھی دونوں کے حسن و عشق کا فسانہ اس میں مذکور ہے، مقیمی نے اسے ۱۰۹۵ھ میں نظم کیا ہے، اور تاریخ

اس طرح بیان کی ہے۔

صدی بارھویں میں تھے کم سال دو لکھیا نظم کوں میں نے باطرز نو

ابتدا اس کی حسب ذیل ابیات سے ہوئی ہے۔

خدا کوں سزاوار کبر و منی کہ قادر ہے قدرت کا صاحب دھنی
جو پھونکیا ہے آدم میں یک روح کوں سنبھالیا ہے طوفان سے نوح کوں
کیا نار گلزار رب الجلیل کہ نمرود کے ہاتھ بچیا خلیل

(۲) قصہ سو بہار - یہ ایک غریب دہقان کا فسانہ ہے اور اس میں دیہاتی زندگی کے واقعات بیان کئے ہیں۔ اس کی ابتدا ابیات ذیل سے ہوتی ہے۔

رچیا تو خلاق و رحمان ہے نرنکار بیچوں تو سبحان ہے
اندھیارا کرے اور اجالا ستیں جو چھپانہ توں وہ کبھو ہو نہیں
فلک ہور زمیں کا ہے یک شاہ توں بنایا ملک ہور فلک ماہ توں

ڈی ٹاسی جلد اول ص۲۴۵ جلد دوم ص۲۹۱ - اسپر نگر ص۶۲۵ بلوم ہارٹ انڈیا آفس ع۱۰۱ - بلوم ہارٹ نے اس کو عزیز تصنیف بیان کیا ہے۔ اور عزیز کو غواصی شاعر قطب شاہی کا دوست بتاتا ہے بلوم ہارٹ نے یہ باتیں غالباً قصہ چندربدن حسب ذیل ابیات سے اخذ کی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے ان سے بلوم ہارٹ کے بیان کی تائید نہیں ہوتی

طبع کی غواصی سے باندھیا ہوں میں سخن لیکے تھوڑے سے ساندھیا ہوں میں
بنایاں سے قصہ کی سن اے عزیز سخن میں یہ موزوں سخن باتمیز

عاجز

سید محمد نام ہے دکن کے رہنے والے تھے، دکنی سلطنتوں کی تباہی
اور عالمگیر کی فتوحات کا زمانہ انہوں نے دیکھا ہے، ان کی تصنیفات
سے ایک چھوٹی سی مثنوی دکن میں نہایت مقبول اور قصہ ملکہ مصر کے
نام سے مشہور ہے اس میں مصر کے بادشاہ فیروز شاہ کی ملکہ کا افسانہ اور
اس کے ایک سو سوال مذکور ہیں، عاجز نے اسے ۱۱ صفر ۱۱۱۰ھ کو تمام
کیا ہے چنانچہ خاتمہ میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

مرتب ہو یا یاں سوں قصہ تمام
لکھوں اب یو کس وقت پایا نظام

تھی تاریخ اگیارہ ماہ صفر
سو پنجشنبہ کا روز تھا نامور

سو ہجرت تھی سوں برس یک ہزار
بھی یکسو، سو مسلے بولیا یادگار

ابتداء اس کی ان ابیات سے ہوئی ہے۔

کہوں میں ثنا صفت حق کا اول
بنایا ہے یو سب جگت بے بدل

رکھیا جن معلق پہ ہفت آسماں
چلیا تلے ہے یوں نت زمیں ہور زماں

دیا تا ہے او دیس سب نور سوں
کریں دین جو روشن چندر سور سوں

ڈی ٹاسی جلد اول ۵۵۹، ۱۶۲ بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر ۲۳۔ قصہ ملکہ مصر
۱۲۹۰ھ میں بمبئی میں چھپ گیا ہے، ڈی ٹاسی نے لال گوہر کو عاجز دکنی کی
تصنیفات میں شامل کیا ہے لیکن شفیق کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ
عارف الدین عاجز کی تصنیف ہے جو اورنگ آباد کے رہنے والے اور ۱۱۷۸ھ

میں فوت ہوئے۔

ضعیفی

ان کا نام شیخ داؤد ہے، اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں گذرے ہیں، مسائل فقہ میں انہوں نے ایک کتاب ہدایت ہندی کے نام سے لکھی ہے جو ۱۱۰۰ھ میں تمام ہوئی ہے اس میں چوبیس باب ہیں جن میں طہارت نماز روزہ زکوٰۃ کے مسائل اور دیگر احکام ضروری کو بیان کیا ہے۔ مصنف نے دیباچہ میں اپنے نام اور تخلص کو اس طرح بیان کیا ہے

لقب اس ہوا شیخ داؤد ناؤں   ضعیفی سو اس کے تخلص کا ٹھاؤں

کتاب کا نام اور تاریخ تصنیف اس طرح مذکور ہے۔

جو تاریخ ہجرت ہزار یکسو یج   ہدایت ہندی ہوا یو تو یج

۱۱۶۵ھ میں شاہ محمد قادری قاضی رام گیر نے خزانہ عبادت کے نام سے فقہ احناف کے احکام و مسائل میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اس میں جگہ جگہ ہدایت ہندی کے حوالے درج ہیں۔

یہ مثنوی ۱۲۸۷ھ میں مدراس میں چھپ گئی ہے

ذوقی

ان کا نام شاہ حسین اور لقب بحر العرفان ہے اورنگ زیب کے معاصر ہیں ۱۱۰۹ھ میں انہوں نے حسن و دل کو منظوم کیا اور وصال

العاشقین اس کا نام رکھا ہے، اس کے خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ شاہ صاحب نے اس سے پہلے بھی نظم میں کئی رسالے لکھے ہیں۔ مثلاً معراج نامہ۔ وفات نامہ۔ منصور کا قصہ وغیرہ۔

اردو جلد پنجم ص ۶۹۹

بحری

دکن کے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے ان کا نام قاضی محمود ہے والد کا نام بحر الدین تھا اور وہ قاضی دربار کے لقب سے مشہور تھے قصبہ گوگی جو نصرت آباد کے مضافات میں واقع ہے ان کا وطن تھا ۱۰۹۵ھ کے قریب اپنے وطن سے بیجاپور چلے گئے تھے اور وہاں سکندر عادل شاہ ان کا معتقد ہو گیا تھا، اس کے دربار میں سال دو سال مقیم رہے اور جب بیجاپور کی سلطنت ۱۰۹۷ھ میں تباہ ہو گئی تو وہاں سے حیدرآباد چلے آئے فارسی اور دکنی زبانوں میں مثنویات غزلیات، رباعیات اور قصائد کا بہت بڑا ذخیرہ آپ نے تصنیف کیا تھا جن کے اشعار پچاس ہزار کے قریب تھے۔ بیجاپور سے حیدرآباد آتے ہوئے راستہ میں رہزنوں نے آپ کا مال و اسباب لوٹ لیا اس میں یہ ذخیرہ بھی تلف ہو گیا، قاضی صاحب نے یہ واقعات عروس عرفان کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں اور ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

"سکندر عادل خاں کہ ختم والیان بیجاپور است چندے صحبت ہا اتفاق شدہ

بود بیش وے یک دو سال اقامتے میداشتم۔
مثنویات وغزلیات ورباعیات وقصائد وغیرہ در معارف بزبان دکھنی وفارسی قریب پنجاہ ہزار بود۔ بعد انقراض حکومت بیجاپور ہمہ اسبابہائے بیش قیمت راکہ سکندر عادل خاں بیجاپوری جہت نذر دادہ بجیدرآباد روانہ کردم درراہ قطاع الطریق آں اسبابہا راتلف نمودند ہمراہ نیز ذخیرہ کلام ہم تلف شد۔

قاضی صاحب نے تصوف میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام من لگن ہے، یہ مثنوی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اسکی وفات سے سات سال پہلے ۱۱۱۲ھ میں تمام ہوئی ہے۔ چنانچہ خاتمہ میں اس کی تاریخ کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

ہجری تھی بھی کتک برس تھے ۔۔۔۔ بارا اُپر ایک سو سہس ہزار تھے

بعض مریدوں کی فرمائش سے قاضی صاحب نے من لگن کے مضامین فارسی میں لکھے اور اس کا نام عروس عرفان رکھا یہ کتاب ۱۱۱۶ھ میں تمام ہوئی ہے۔

من لگن میں مشکل اور عسیر الفہم الفاظ کثرت سے آئے ہیں۔ شاہ اسمٰعیل بن شاہ احمد القادری الملتانی بن سید محمد بن سید نور الحسن الباقری الورنگلی نے نواب شہامت جنگ بہادر کے ایما سے اس کے تمام مشکل و مغلق الفاظ کا حل لکھا ہے اور اس کا نام ارت من لگن رکھا ہے۔

مذکورہ بالا حالات من لگن خاتمہ عروس عرفان و دیباچہ ارت

من لگن سے ماخوذ ہیں، من لگن مدراس اور بنگلور میں کئی بار چھپی ہے -
مدراس ۱۲۷۹ھ و ۱۳۰۷ھ بنگلور ۱۳۱۰ھ و ۱۳۲۵ھ

عشرتی

ان کا نام سید محمد اور والد کا سید یوسف حسینی ہے، حیدرآباد کے رہنے تھے اور رنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گزرے ہیں، اور ملک محمد جائسی کی پدماوت کو فارسی میں ملخص کیا ہے اور " گلے ختمی " سے اس کی تاریخ نکالی ہے

بہار افروز دل شد چوں کلامش گلے ختمی ست تاریخ تمامش

دکنی زبان میں بھی انہوں نے دو مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں دیپک پتنگ، اور چیت لگن پہلی کتاب ۱۱۰۱ھ کے حدود میں لکھی گئی ہے اور ہماری نظر سے گذری ہے، اس کا آغاز ابیات ذیل سے ہوا ہے.

الٰہی تو سرجیا زمین ہور زماں	دیپایا سورج جوت تو آسماں
فلک کوں سنکایا نوں گردش کا چال	مہ نس میں لایا چندر کا ہلال
رین کھن کا منڈوا سنوارے نام	انکھوراں کے جھومکے تارے تمام

عشرتی کے پوتے سید علی نے ۱۱۶۹ھ میں گلشن احسان کے حاتم کا فسانہ منظوم کیا ہے اس نے دیباچہ میں اپنے دادا کے حالات اس طرح بیان کئے ہیں -

کروں نام سید محمد کا یاد	سیادت کے گھر کا ہے ذات العماد
تصانیف نظم و نثر فارسی	بہت اس سوں ہے عقل کی آرسی

ہے دکنی میں دیپک پتنگ جیت لگن | دو قصے کہ ہیں یاد وہ عالی سخن
تخلص ہے مشہور اسے عشرتی | معارک سخن کا تھا خود نصرتی

مجرمی

یہ بھی عہد اورنگ زیب کے شاعر ہیں بیجاپور کے رہنے والے تھے ۱۱۱۸ھ
میں حسن و دل کو منظوم کیا اور گلشن حسن و دل اس کا نام رکھا ہے
خاتمہ میں تاریخ تصنیف اس طرح مذکور ہے۔

یو بارھویں صدی میں یو قصہ تمام | جو چودا برس میں ہوئے تھے تمام

مثنوی کا آغاز ابیات ذیل سے ہوا ہے۔

جتا حمد ہے سو خدا کو بج ہے | ثنا ہور صفت بھی اسی کو بج ہے
جو درگاہ اس کی اہے بے نیاز | اپس سوں اپیں ہے وہ بے نیاز

ہنر

سید احمد نام ہے سید محمد عشرتی کے فرزند تھے انہوں نے دکنی میں
دو مثنویاں لکھی ہیں۔ نیہ درپن اور اذنارین۔ نیہ درپن ہم نے دیکھی ہے
یہ مثنوی ۱۱۴۹ھ میں تمام ہوئی ہے۔ اس میں راجہ راجکنور اور رانی کملتا
دلوی کا فسانہ مذکور ہے۔ ہنر نے اسے ابن نشاطی کی پھولبن کے جواب
میں لکھا ہے، چنانچہ دیباچہ میں کہتا ہے۔

بنایا پھولبن ابن نشاطی | منتھی باس اسکی سب کے تیں خوش آتی

جواب اس کا جو یو ہے نیہ درپن ہے ہیچ وہ عشق کے انکھیاں کا انجن
لے اس سے اگر منا پائے بہتر برابر تو یقین جانے نکمت

خاتمہ میں تاریخ تصنیف کو اس طرح بیان کیا ہے۔

ستیا مج نیہ درپن نے یو جہل کار اگیارہ سو پو تھے چالیس پر چار

نیہ درپن کی ابتدا ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

الہی۔ یا الہی، یا الہی تجھے ساجے جگت کی بادشاہی
تکبر ہور منم ہے تج سزاوار کہ نیں کوئی دوسرا تج سا کرتار

ولی دکھنی

سید محمد فیاض ان کا نام ہے، ملا محمد باقر آگاہ نے مرأۃ الجنان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ویلوران کا وطن تھا، عالمگیر کے زمانہ میں گزرے ہیں دکن میں سات گڈھ ایک تاریخی مقام ہے وہاں حراست خاں نام ایک امیر رہا کرتا تھا، ولی عرصہ تک اس رفاقت میں رہے پھر وہاں سے نکل کر کڑپہ میں چلے آئے۔ یہاں کے صوبہ دار نواب عبد المجید خاں تھے انہوں نے ولی کی قدردانی کی اور ملازمت دیکر سدھوٹ میں تعینات کردیا۔ یہ واقعات ولی نے رتن پدم کے دیباچہ میں لکھے ہیں۔

حراست خاں امیر ایک نامور تھا سکونت گاہ اس کوں سات گڈھ تھا
اٹھا ادا اہل درد و نیک اعمال رفاقت میں انھا میں اسکے خوشحال
قضا را واں سوں ہو قسمت سوں برخاست سو آیا میں ظرف کڑپہ کے دھر خواست

نواب عبدالمجید ابن عبدالحمید ایک ۔۔۔ اتھا واں نامور صوبہ سعید ایک
سواد بحر شجا پر دانہ لکھ کر ۔۔۔ بسلک نوکراں میں منسلک کر
تعین کر مجکوں سدہوٹ کو روانہ ۔۔۔ کیا او صاحب ہنر ہیں زمانہ
سو حسب الحکم سدہوٹ کو آیا ۔۔۔ رنگا رنگ داں تماشے میں نے پایا

ولی کی تصنیفات سے اس وقت دو کتابیں ملتی ہیں ۔

(۱) قصہ رتن و پدم ۔ اس کو ولی نے سدھوٹ میں لکھا ہے ، اس کا جو نسخہ توپ خانے کے کتب خانے میں موجود تھا اس کے چار سو صفحہ تھے اور جس میں کم و بیش چار ہزار ابیات تھے اس کی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے ۔

خدایا تو ہے پاک پروردگار ۔۔۔ نرکار و آتار و آچھی اپار

کتاب میں مختلف مقامات پر مصنف نے اپنا تخلص بیان کیا ہے منجملہ ان کے دو مختلف مقام یہ ہیں ۔

ولی تیرے کرم کی ہے مجھے آس ۔۔۔ نہ کر اس آس سوں ہرگز تو بنراس

ولی ہے یو سبب خالی بہانہ ۔۔۔ اسی کا کام ہے دینا دلانا

(۲) روضۃ الشہدا ۔ اس میں ولی نے واقعات کربلا منظوم کئے ہیں ضخیم کتاب ہے اور ۱۱۱۹ھ میں تصنیف ہوئی ہے ۔

کیا ہوں جب ختم یو درد کا حال ۔۔۔ اگیارہ سو یو تھا انیسواں سال

ڈاکٹر ابیتھے نے روضۃ الشہدا کی مفصل کیفیت لکھی ہے اور

اس کے مضامین کی فہرست بھی نقل کی ہے جو ذیل میں درج ہے ۔

مجلس اول ۔ ذکر وفات جناب رسالتمآب صلعم

مجلس دوم ۔ ذکر وفات سیدۃ النسا جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام ۔

مجلس سوم ۔ ذکر وفات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

مجلس چہارم ۔ ذکر خلافت حضرت امام حسن علیہ السلام ۔

مجلس پنجم ۔ ذکر تولد حضرت امام حسین علیہ السلام ۔

مجلس ششم ۔ ذکر شہادت فرزندان حضرت مسلمؓ ۔

مجلس ہفتم ۔ روانگی حضرت امام حسین از مکہ معظمہ سوئے دشت کربلا ۔

مجلس ہشتم ۔ ذکر شہادت محبان و برادران جناب سید الشہدا علیہ السلام ۔

مجلس نہم ۔ ذکر شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام ۔

مجلس دہم ۔ بقیہ حالات شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام

ان کے علاوہ ولی نے ایک مناجات بھی لکھی ہے جس کے پچیس بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعہ ہیں جن سے انتخاب کر کے تین بند ہم درج ذیل کرتے ہیں

یا الٰہی توں بحق مصطفےٰ ہور مرتضےٰ
فاطمہ خاتون جنت ہور شاہ کربلا

عاقبت توں خیر کرنا غرض ہے میری سدا
یا صاحب عرش بریں منجھ حال پر احسان کر

یا الٰہی زہد و تقویٰ نئیں ہوا منجھ ہات سوں
کچھ عبادت ہور ریاضت میں ہوا منجھ ذات سوں

سر بسر ہوں منفعل اس کام ہور اس بات سوں
یا غفور المجرمیں منجھ حال پر احسان کر

یا الٰہی از طفیل انبیا، ہور اولیا،
غوث ہور اقطاب ہیں جتنے یہاں کے اصفیا
آبرو رکھ دو جہاں میں ہے ولی کا التجا
ہے او بندہ کمترین منجھ حال پر احساں کرو

اسپرنگر صفحہ ۶۴۱ ایتھے نمبر ۱۶۲ دیباچہ ریاض الجناں صفحہ ۳ روضۃ الشہدا بمبئی میں ۱۲۹۱ھ میں چھپ گئی ہے۔

وجدی

صوبہ اورنگ آباد کی سرکار دھارور میں کیج نامی ایک قصبہ آباد ہے وجدی اسی قصبے کے رہنے والے تھے۔ ان کا نام ہدایت اللہ خان ہے۔ وطن میں طبابت کیا کرتے تھے مشرب صوفیانہ تھا۔ دکنی زبان میں ان کی تصنیفات سے تین مثنویاں موجود ہیں۔

(۱) مخزن عشق۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ وجدی نے اسے شاہ صادق اورنگ آبادی کی فرمائش سے ۱۱۴۵ھ میں تصنیف کیا ہے اصل اس کی فارسی ہے اور دیباچہ میں تاریخ اختتام کو اس طرح بیان کیا ہے۔

یو ہے بیان خاتمہ جی تشکر سوں بولیا ہوں میں
تاریخ جس کے ختم کا آیا ہے "باغ جاں فزا"

(۲) پنچھی باچھا۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی منطق الطیر کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ اس کو خاتمہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

اصل میں یو تھا کلام فارسی
اہل معنی کو مثال آرسی

خوش تریں تصنیف شیخ نامدار — پیشوائے عارفان روزگار
شیخ صاحب دل فرید نامور — خاص جن کا ہے لقب عطار کر
تھا وے جوں فارسی میں یو کلام — کم سمجھ سکتے تھے اس کو خاص وعام
گرچہ میں بھی کچھ نہیں معنی شناس — کان مجھے اس کے سمجھنے کا قیاس
لیکن اس کے دیکھ کر دلچسپ بول — یک بیک یوں دل منے آیا کھول
جو موافق فہم اپنے کے ضعیف — اس کتاب خاص کا نظم شریف
قصد کو دکنی زباں میں لے کے آوں — تا ہے دنیا منے میرا بھی ناؤں

پروفیسر ڈی ٹاسی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ۱۲۴۷ھ میں اختتام کو پہنچی ہے بلبیو تھیک ڈر مارگن لیانڈش کیشل شافٹ میں اس کا جو نسخہ ہے اس سے ۱۱۵۰ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن ہم نے اس کے جسقدر قلمی نسخے دیکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۴۶ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور ان نسخوں کے خاتمے میں تاریخ کا حسب ذیل شعر تحریر ہے

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب — تب ہوا میزان کیا خاصا کتاب
۱۱۴۶

(۱۳) مثنوی تحفہ عاشقاں ۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی گل وہرمز کا ترجمہ ہے جو خسرو نامہ یا خسرو وگل بھی کہلاتی ہے

قضا را دسیا مجھوں یک بار کا — گل وہرمز اس شیخ عطار کا
ہوا شوق پیدا مجھے بعد ازاں — کہ دکنی زباں سوں کروں ترجماں

یہ مثنوی ۱۱۵۳ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں اس کی تاریخ اس طرح مذکور ہے ۔

دسے اس کی تاریخ مجکوں عیاں
پچھانو اسے تحفۂ عاشقاں

اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے۔

کروں پاک دل ہور زباں پاک سوں
ثنا پاک اس عاشق پاک کوں

ڈی ٹاسی جلد دوم ص۲۳۵ فہرست کتب خانہ جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد سوم ص۶۷ لسان العصر جلد اول نمبر۵ ص۱۸

یہ مثنوی بارہا چھپی بمبئی اور مدراس میں کئی بار چھپا ہے بمبئی ۱۲۹۸ھ ۱۳۱۹ھ مدراس ۱۲۷۲ھ ۱۳۱۴ھ بمبئی کے نسخے اصلاح شدہ اور کسی قدر آخر میں کم ہیں مدراس کا ۱۲۷۲ھ کا چھپا ہوا نسخہ نہایت صحیح کامل اور قلمی نسخوں سے مطابق ہے۔

آزاد

فقیر اللہ نام ہے، حیدرآباد کے باشندے تھے۔ فراقی دکنی کے ہمراہ دہلی گئے تھے، ولی اورنگ آبادی کے ہمعصر ہیں، ولی نے ان کی غزل پر غزل لکھی ہے چنانچہ ایک شعر یہ ہے۔

آزاد سے سنیا ہوں یہ مصرعہ مناسب
جس سے کہ بار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد کا شعر یہ ہے

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہمکو آئیں
پر جس سے ملتا ایسا ہنر نہ آیا

میر تقی میر ص۱۰۰ میر حسن ص۱۸ گل رعنا ص۸۸

ولی بیجاپوری

بیجاپور ان کا وطن ہے، محمد شاہ بادشاہ کے معاصر تھے انہوں نے پیر ہرات خواجہ عبداللہ انصاری کے اقوال کو دکنی میں نظم کیا اور تنبیہ نامہ اس کا نام رکھا ہے اس میں گیارہ سو بیس ابیات ہیں اور ۱۱۵۰ھ میں تمام ہوا ہے، کتاب کا نام، تاریخ تصنیف اور مصنف کا تخلص ابیات ذیل میں مذکور ہے۔

گیا بعد ازاں سن کے تئیں جب قیاس	ہوئے سن گیارہ سو او پر پچاس
یہ تنبیہ نامہ کیا جب تمام	نبی کے اسم سے کیا اختتام
الٰہی ولی کے تئیں بخش اب	کر اس کے گناہوں کو ناچیز سب

ابتدا اس بیت سے ہوئی ہے۔

خداوند شاہنشہ برقرار	وہ سبحان سب کا ہے پروردگار

صنعتی

دکنی شاعر اور محمد شاہ بادشاہ کے معاصر ہیں، ساگر ان کا وطن ہے شاہزادۂ مصر اور دختر فغفور کے عشق و محبت کی داستان دکنی میں نظم کی ہے یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ ۱۷ ذی القعدہ ۱۱۵۹ھ کو تمام ہوئی ہے اور گلدستہ عشق اس کا نام ہے، تاریخ تصنیف اور مصنف کا تخلص ابیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

کہوں اس کی تاریخ میں اب بیاں
رہو شاد سن کر ہیں عاقلاں

سنو کان دھر سن اول ہجرتی
"یو ہدیا دیا دل لگت صنعتی"

اتھا شہر ذو القعد ستر انمام
سٹیا مشتری خوش تھا مندپو کام

محباں کے حق میں دعا منگ شتاب
ارے صنعتی کر نوں ختم کتاب

ابتدا اس کی اس بیت سے ہوئی ہے ۔

ہوں اول صفت کہتا سبحان کا
رنچیا کن سے جن کل ہے منڈان کا

یہ مثنوی قصہ فغفور چین کے نام سے ۱۳۲۶ھ میں بمبئی میں چھپی ہے ۔

شعرائے اورنگ آباد

اورنگ آباد ۔ دکن کے شمالی خطہ کا ایک مشہور شہر ہے، گیارہویں صدی سے پہلے اسکی حیثیت ایک معمولی قصبہ کی تھی اور کھرکی اس کا نام تھا۔ شاہ جہاں بادشاہ (سنہ ۱۰۳۷ء ۱۰۶۹ھ) کے ساتھ جب ملک عنبر کی لڑائیاں شروع ہوئیں تو ملک عنبر نے اس مقام کو اپنا مرکز قرار دیا اس زمانہ سے اس کی رونق بڑھنے لگی اور رفتہ رفتہ شہر کی حیثیت پیدا ہو گئی نظام شاہیوں کی تباہی کے بعد جب بالا گھاٹ پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا تو یہ مقام بھی ان کے قبضہ میں آگیا ۔

اورنگ زیب جب دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو اس نے کھرکی کو اپنا صدر مقام قرار دیا اور اس کا نام اورنگ آباد رکھا[1] اس کے بعد اورنگ زیب کی عمر کا بیشتر حصہ اسی شہر میں بسر ہوا اور ایک عرصہ تک یہ شہر سلطنت

[1] ہسٹاریکل ڈسکرپشن جلد دوم صفحہ ۲۰

مغلیہ کا مرکز حکومت بنا رہا، اس تقریب سے ہندوستان اور دہلی کے بڑے بڑے امرا، اور علما و مشائخین جنکو شاہی دربار سے کسی قسم کا بھی واسطہ تھا اورنگ آباد چلے آئے قریب قریب اسی زمانہ میں بیجاپور وگولکنڈہ کی سلطنتیں تباہ ہوئیں اور یہاں کے باشندے بھی پریشان منتشر ہوکر اورنگ آباد کی جانب متوجہ ہوئے، ان اسباب نے کچھ عرصہ کے لئے اورنگ آباد کو اردو شاعری کا مرکز بنا دیا اور یہاں سے اس عرصہ میں بہت سے اردو گو شعرا پیدا ہوئے جن کے حالات سید عبدالولی عزلت کی بیاض لچھمی نارائن شفیق کے چمنستان شعرا، میر بہاءالدین عروج کے بہار و خزاں اور محمد افضل قاقشال کے تحفۃ الشعرا میں تحریر ہیں اور ان سے اخذ کرکے اگر ان شعرا کا تذکرہ لکھا جائے تو خاصی کتاب تیار ہوسکتی ہے لیکن ہم نے بہ نظر اختصار صرف ان شعرا کا حال درج کیا ہے جنہوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔

ولی اورنگ آبادی

ولی کے نام اور وطن کی نسبت تذکرہ نویسوں نے سخت اختلاف کیا ہے، میر حسن دہلوی، مرزا علی لطف اور عبدالغفور خاں نساخ نے ان کا نام ولی اللہ لکھا ہے، نواب علی ابراہیم خاں اور یوسف علی مرشد آبادی کے تذکروں میں شمس ولی اللہ تحریر ہے، مولانا آزاد نے اسی قول کی اتباع کی ہے لیکن ان کا صحیح نام جیسا کہ لچھمی نارائن شفیق اور

فتح علی گردیزی نے لکھا ہے محمد ولی ہے، نواب علی ابراہیم خاں، یوسف علی، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ، فتح علی گردیزی اور قیام الدین قیام نے ولی کو دکن کا باشندہ بیان کیا ہے، میر حسن دہلوی، قدرت اللہ قاسم عبدالغفور خاں نساخ اور مولانا آزاد نے گجرات کو ان کا وطن قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت میں ابراہیم سایانی نے ولی کا حسب ذیل شعر پیش کیا ہے،

ولی ایران و توران میں ہے مشہور
وطن گو اس کا گجرات و دکن ہے

لیکن حقیقت میں یہ شعر اس طرح پر صحیح ہے۔

ولی ایران و توران میں ہے مشہور
اگرچہ شاعر ملک دکن ہے

لچھمی نارائن شفیق اور میر تقی میر نے بیان کیا ہے کہ اورنگ آباد ان کا وطن ہے، اور شفیق نے نہایت شد و مد کے ساتھ ان کے گجراتی ہونے کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ۔

"مردماں نسبت او بہ گجرات دادند غلط محض است"

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم۔ عبدالغفور خاں نساخ اور مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ ولی شیخ وجیہ الدین گجراتی کی اولاد سے ہیں لیکن اس کی کوئی تاریخی سند نہیں بیان کی ہے برخلاف اس کے لچھمی نارائن کا بیان ہے کہ ولی نے گجرات میں آکر شیخ وجیہ الدین گجراتی کی درگاہ میں علم کی تحصیل کی، وہاں سے سورت گئے سورت سے بیت اللہ کا سفر کیا اور وہاں سے واپس آکر احمد آباد میں فوت ہوئے، لوگوں نے نئی گنبد میں دریا خاں کی گنبد کے قریب، مدفون کیا اکثر تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ ولی نے دہلی کا بھی سفر

کیا تھا لیکن یہ سفر کس عہد میں واقع ہوا تھا اس میں اختلاف ہے۔ مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا اس کو عہد محمد شاہ کا واقع بیان کرتے ہیں، لیکن ان کے یہاں اس کی کوئی سند نہیں ہے برخلاف اس کے قدیم تذکروں سے ولی کا عالمگیر کے عہد میں دہلی آنا ثابت ہوتا ہے اور میر حسن دہلوی، نواب علی ابراہیم خاں، یوسف مرشد آبادی، مرزا علی لطف اور عبد الغفور خاں نساخ نے اس کو نہایت وثوق کے ساتھ لکھا ہے۔

قائم اپنے تذکرے میں بیان کرتے ہیں۔ عالمگیر کے چوالیسویں سال جلوس میں جو سنہ ۱۱۱۲ھ کے مساوی ہے ولی اپنے دوست سید ابوالمعالی کے ساتھ دلی میں آئے، چنانچہ ان کی اصل عبارت یہ ہے۔

"درسن چہل و چہار از جلوس عالمگیر بادشاہ ہمراہ سید ابوالمعالی نام سید پسرے کہ دلش فریفتہ او بود بشاہجہاں آباد آمد"

ولی کا سن وفات فرہنگ آصفیہ میں سنہ ۱۱۱۹ھ اور تذکرہ شعرائے دکن میں سنہ ۱۱۵۵ھ تحریر ہے ان میں آخر الذکر تاریخ یقیناً غلط ہے کیونکہ ہم نے دیوان ولی کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے جو ۵۔ جمادی الاول سنہ ۱۱۴۳ھ میں بمقام احمد آباد مکتوب ہوا ہے اور اس کے خاتمہ پر تحریر ہے "تمام شد" دیوان ولی رحمتہ اللہ علیہ" اور اس جملہ سے ثابت ہے کہ ولی نے سنہ ۱۱۴۳ھ سے پہلے وفات پائی ہے۔

مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا کا بیان ہے کہ ولی نے دیوان کے علاوہ تصوف میں بھی ایک رسالہ نور المعرفت لکھا ہے لیکن وہ ناپید ہوگیا

ہے، اس وقت صرف دیوان ملتا ہے جس میں زیادہ حصہ غزلیات
کا ہے آخر میں پند مستزاد مخمس، ترجیع بند، اور دو تین چھوٹی چھوٹی
مثنویاں ہیں، پروفیسر ڈی ٹاسی نے دیوان کو ۱۸۳۴ء میں بمقام پیرس
نہایت اہتمام سے چھپایا ہے، اس کے بعد ۱۸۷۸ء میں بمقام لکھنؤ مطبع
منشی نولکشور میں چھپا، قریب قریب اسی زمانہ میں اس کا ایک اور
اڈیشن بمبئی میں شائع ہوا، لیکن یہ سب اڈیشن اس وقت کمیاب ہیں
حال میں ابراہیم بیاپانی نے جو دکن کالج پونہ میں فارسی کے اسسٹنٹ
لکچرار ہیں اس دیوان کو دہلی میں چھپوا کر شائع کیا ہے اور اس کی ابتدا
میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے، جس میں ولی کے حالات اور اس کی شاعری
پر تبصرہ تحریر ہے۔

تذکرہ شعرائے دکن اور گل رعنا کے مصنفین نے روضۃ الشہدا،
کو ولی اورنگ آبادی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے لیکن حقیقت میں
یہ ولی دکھنی کی تصنیف ہے اور اس کا تذکرہ ہم نے اس سے پیشتر تحریر
کر دیا ہے۔

ڈی ٹاسی جلد سوم ص ۲۸۱ تذکرہ یوسف علی مرشد آبادی اسپرنگر ص ۲۸۰
میر تقی ص ۹۵ میر حسن ص ۲۰۴ سخن شعرا ص ۵۵۶ گلشن ہند ص ۱۷۵ گلشن بیخار ص ۲۲۷
گلستان بیخزاں ص ۲۸۱ تذکرہ شعرائے دکن ص ۱۱۲۷ گل رعنا ص ۸۲ آب حیات
ص ۸۰ چمنستان شعرا نسخہ قلمی موجود کتب خانہ آصفیہ

داؤد

مرزا داؤد نام۔ اورنگ آباد وطن ہے، ولی کے معاصر ہیں سنہ ۱۱۶۸ھ میں انتقال کیا ہے لچھمی نارائن شفیق نے انکے حالات اپنے تذکرہ میں ان کے فرزند مرزا جمال اللہ عشق کی زبانی لکھے ہیں اور وفات کی تاریخ بھی لکھی ہے جس کا مادہ تاریخ یہ ہے۔

گو برفتہ میرزا داؤد فانی ازجہاں

ان کا ایک چھوٹا سا دیوان ہماری نظر سے گذرا ہے جس میں کم وبیش پانچسو اشعار ہیں جن سے انتخاب کر کے ہم ذیل تین شعر نقل کرتے ہیں۔

اس صنم کے خیال ابرو نے — ناتواں مجکو جوں ہلال کیا
مرا احوال چشم یار سے پوچھ — حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ
چاند کی سیر کو کس طرح نکلے وہ صنم — دیکھنے منہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

میر تقی میر صـ ۱۱۱ سخن شعرا صـ ۱۵۷ گل رعنا صـ ۹۴ تذکرہ شعرائے دکن صـ ۲۲۶

سراج

سید سراج الدین نام ہے اورنگ آباد کے مشائخین سے تھے سنہ ۱۱۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے میر تقی اور میر حسن نے اپنے تذکروں میں لکھا ہے کہ یہ حمزہ دکنی کے شاگرد تھے لیکن جو تذکرے اہل اورنگ

آباد نے لکھے ہیں ان میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ خود آزاد نے اس کا کہیں ذکر کیا ہے۔

سراج نے اردو اور فارسی کے دو دیوان اپنی یادگار چھوڑے ہیں، جس میں غزل، قصیدے، رباعی، مستزاد، واسوخت، جملہ اصناف سخن موجود ہیں بوستان خیال کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو ۱۱۷۳ھ میں تمام ہوئی ہے اس کے علاوہ اپنے دو دادین کا ایک انتخاب ۱۱۵۱ھ میں مرتب کیا ہے، یہ انتخاب جب تمام ہوا ہے تو ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی اور اس حساب سے ۱۱۲۷ھ ان کا سن ولادت ثابت ہوتا ہے، سراج نے ایک غزل میں منتخب دیوان کی تاریخ و ترتیب اور عمر کو اس طرح بیان کیا ہے

جب کیا جزو پریشان سخن شیرازہ بند ‌‌ ‌ تھے برس چوبیس میری عمر بے بنیاد کے

سال ہجری تھے ہزار و یکصد و پنجاہ و یک ‌ ‌ واقف علم لدنی صاحب ارشاد کے

اے سراج اس منتخب دیوان کے سب ریختے ‌ ‌ خامہ مژگاں خوباں سیق ہیں فابل مماد کے

میر حسن ص۱۰۰ میر تقی ص۱۶ گل رعنا ص۸۹ سخن شعرا ص۲۱۳ تذکرہ شعرائے دکن ص۲۸۲ لسان العصر جلد اول نمبر ۵ ص۳۲

دہلی میں زبانِ اردو

اردو زبان نے دکن میں نویں صدی سے پہلے ادبی صورت حاصل کر لی تھی اور اس میں اسی زمانہ سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہو گیا تھا برخلاف اس کے ہندوستان میں بارھویں صدی کے آغاز تک یہ زبان محض

بات چیت اور لین دین تک محدود تھی۔ مولانا جمالی[1] ملا نوری[2] اور شیخ سعدی[3] وغیرہ نے اگرچہ ایسے اشعار کہے ہیں جو آدھے فارسی اور آدھے اردو میں ہیں لیکن باقاعدہ اور علمی شاعری نہ تھی اس لئے ہم اسے اردو شاعری کا سنگ بنیاد نہیں کہہ سکتے۔

شاہجہاں بادشاہ ر ۱۰۳۶ھ تا ۱۰۶۹ھ کا عہد اردو کے لئے مبارک عہد تھا اس عہد میں اردو زبان بات چیت سے گزر کر خط و کتابت تک ترقی کر چکی تھی۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ بھی ضرورت کے وقت اس میں خط و کتابت کیا کرتے تھے جس زمانہ میں شجاع اور اورنگ زیب برسرپیکار تھے تو شاہ جہاں نے ایک شقہ شجاع کو لکھا، یہ شقہ کسی طرح اورنگ زیب کو مل گیا اور اس کی بنیاد پر اورنگ زیب نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں لکھتا ہے۔

آں فرمان عالی کہ در زبان ہندی از دستخط خاص رقم فرمودہ شاہد ایں معانی است

عالمگیر اورنگزیب ر ۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۷ھ کے رقعات فارسی میں ہیں لیکن ان میں کثرت سے اردو الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مثلاً

" در ارسال ڈالی انبہ بہ تلافی مافات کوشند "

" در یں ضمن کرسئ کچکڑہ بنظر گذشت "

" مزہ کھچڑی بریانی شما در زمستاں یاد می آید "

---

[1] مولانا جمالی شہنشاہ بابر کے معاصر تھے ۹۴۲ھ میں فوت ہوئے دہلی میں ان کا مزار ہے

[2] ملا نوری اعظم پور کے باشندے تھے اکبر کے زمانے میں گزرے ہیں۔ ملا فیضی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے۔ میر حسن نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے جو آدھا اردو اور آدھا فارسی ہے

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد   بیچارہ نوری نہ کہے ہے نہ ڈرے ہے

[3] شیخ سعدی۔ ان کیلئے ضمیمہ اول دیکھئے [4] عالمگیر کی یہ عرضداشت دستور العمل آگہی میں موجود ہے۔

"وچار گھڑی روز مانزہ باز دیوان عام می فرمودند
"شادیانہ فتح بنوازند وحرف ایام طفولیت یاد دارند کہ باباجی دھوں دھوں

اس زمانہ میں دربار و اہل دربار کی زبان فارسی تھی، سلطنت کا دفتر فارسی میں تھا، تصنیف و تالیف خط و کتابت فارسی میں ہوا کرتی تھی باوجود اس کے شاہ جہاں کا کالاد و میں شقہ لکھنا اور عالمگیر کا اپنے رقعات میں اردو الفاظ استعمال کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اردو زبان میں اس زمانہ میں ملک کی عام زبان ہو گئی تھی۔ بازار سے شاہی محلات تک خاص و عام اس کو بولتے اور سمجھتے تھے۔

عالمگیر کے عہد میں لغات اردو کی تدوین

قریب قریب اسی زمانہ میں اہل ہندوستان کو اردو لغات کی ترتیب و تدوین کا خیال پیدا ہوا ملا عبدالواسع ہانسوی نے رجن کی قواعد فارسی اور گلستاں بوستاں کی شرحیں نہایت مشہور ہیں) عالمگیر کے زمانہ میں اردو ہندی الفاظ کا ایک لغت مدون کیا اور اس کا نام غرائب اللغات رکھا الفاظ کے معنی فارسی میں لکھے، ایک عرصہ کے بعد سراج علی خاں آرزو المتوفی ۱۱۶۹ھ نے اس کی نظر ثانی کی، بہت سے الفاظ اور معانی اضافہ کئے، غلطیاں درست کیں اور اسے نوادر الالفاظ کے نام سے موسوم کیا۔[1]

فارسی شعرا اور اردو زبان

عالمگیر کے زمانہ سے دلی میں اردو شعر گوئی نے رواج پایا اور اس جانب سب سے پہلے فارسی شعرا نے توجہ کی موسوی خان فطرت[2]

---

[1] ریو جلد دوم ص۵۱۰ جلد سوم ص۹۹۷ د ف ۱۰۳ د ف ۱۰۷

[2] میرزا معزالدین محمد موسوی خان فطرت مشہد مقدس ان وطن ہے ۱۰۸۲ھ میں (آئندہ صفحہ پر)

مرزا عبدالقادر بیدل[1]، مرزا عبدالغنی قبول[2] وغیرہ فارسی کے نامور شاعر تھے لیکن کبھی کبھی تفریح خاطر اور تفنن طبع کے لئے اردو میں بھی دو چار شعر لکھ لیا کرتے تھے۔ تھوڑے عرصہ تک یہی کیفیت رہی محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں جلوس کے دوسرے سال ۱۱۳۳ھ میں ولی کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا، اہل دہلی نے اس کی خوب قدر کی اس قبولیت عام کو دیکھا تو بہت سے اشخاص شعر گوئی کی جانب متوجہ ہو گئے[3] اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے پایہ تخت میں شعرائے اردو کا گروہ پیدا ہو گیا منجملہ ان کے جن شعرا نے شہرت حاصل

بقیہ صفحہ گذشتہ) ولایت سے ہندوستان میں آئے عالمگیر کے امرا میں ان کا شمار ہوتا ہے فارسی کے نامور شاعر ہیں ۱۱۰۸ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے مآثر الامرا جلد سوم ص۶۲۳ خزانہ عامرہ ص۱۲۹ سرو آزاد ص۱۲۶ نتائج الافکار ص۳۹۵ [1] میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آباد پٹنہ ان کا وطن ہے شاہجہاں آباد میں رہا کرتے تھے ۱۱۳۳ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد ص۱۴۸ نتائج الافکار ص۷۵) میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں ان کے دو شعر نقل کئے ہیں

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں	اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا	پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

[2] میرزا عبدالغنی قبول۔ کشمیر ان کا وطن ہے شاہجہاں آباد میں رہا کرتے تھے مرزا اجوبا کے شاگرد ہیں ۱۱۳۹ھ میں ان کا انتقال ہوا (سرو آزاد ص۱۹۳) نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

دل یوں خیال زلف میں پھرتا ہے نعرہ زن	تاریک شب میں جیسے کوئی پاسباں پھرے

[3] رسالہ تحقیق زبان ریختہ ص۶

کی ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

دور اول کے شعرا

شاہ مبارک آبرو ، ان کا نام نجم الدین ہے، شیخ محمد غوث گوالیری کی اولاد سے ہیں محمد شاہ بادشاہ کے ایام حکومت میں بمقام شاہجہاں آباد ان کا انتقال ہوا ہے ۱؎

شیخ شرف الدین مضمون ۔ آگرہ کے علاقہ میں بمقام باج موا انکی ولادت ہوئی ہے زمانہ شباب میں آکر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے زینت المساجد میں رہا کرتے تھے ۔ شیخ فریدالدین گنج شکر کی اولاد سے ہیں ۲؎

محمد شاکر ناجی ۔ شاہجہاں آباد کے باشندے اور نواب عمدۃ الملک محمد امیر خان کے متوسل تھے ۔ شاہ مبارک آبرو کے معاصر ہیں ۱۱۶۸ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے ۳؎

مصطفےٰ قلی خاں یک رنگ ۔ شاہ جہاں آباد ان کا وطن تھا خان جہاں خاں لودہی کے نبیرا اور محمد شاہ بادشاہ کے درباری منصبدار تھے دہلی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ۴؎

شیخ ظہورالدین حاتم ۔ شاہ جہاں آباد ان کا وطن تھا، عمدۃ الملک نواب امیر خاں کے مصاحب اور مرزا سودا کے استاد تھے ان

۱؎ میر تقی ص۹ میر حسن ص۱۳ گلشن ہند ص۲۵ گلشن بیخار ص۶ سخن شعرا ص۵

۲؎ میر تقی ص۱۵ میر حسن ص۱۶۹ گلشن ہند ص۱۶۱ گلشن بیخار ص۱۸۱ سخن شعرا ص۴۴۷

۳؎ میر تقی ص۲۳ میر حسن ص۱۵۹ گلشن ہند ص۱۷۲ گلشن بیخار ص۲۲ سخن شعرا ص۵۸۶

۴؎ میر تقی ص۱۸ میر حسن ص۲۱۷ گلشن ہند ص۱۹۵ گلشن بیخار ص۲۱۲ سخن شعرا ص۵۰

کے دو دیوان ہیں ایک قدیم اور دوسرا جدید زبان میں ۱۱۹۶ھ میں بمقام دہلی ان کا انتقال ہوا ہے ۱؎

اشرف علی خاں فغاں۔ احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ اور مرزا علی قلی خاں ندیم کے شاگرد تھے، احمد شاہ درانی کی فوج کشی کے بعد دہلی سے عظیم آباد چلے آئے اور یہاں راجہ شتاب رائے کی مصاحبت اختیار کرلی ۱۱۸۶ھ میں بمقام عظیم آباد انتقال کیا ۲؎

یہ شعراء دور اول کے تھے اس کے بعد دور ثانی شروع ہوتا ہے اس دور کے نامور شعرا میں مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۹۵ھ) مرزا سودا (م ۱۱۹۵ھ) میر تقی میر (م ۱۲۲۵ھ) خواجہ میر درد (م ۱۱۹۹ھ) میر سوز (م ۱۲۱۳ھ) قیام الدین قائم (م ۱۲۰۳ھ) انعام اللہ خاں یقین، احسن اللہ خاں بیان (م ۱۲۱۳ھ) وغیرہ نے شہرت و ناموری حاصل کی ہے

نثر اردو

آٹھویں صدی ہجری کے ختم ہونے سے قریباً تیس پہلے دکن میں نثر اردو کی ابتدا ہو چکی تھی، شیخ عین الدین گنج العلم المتوفی ۷۹۵ھ کے رسالے خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ کا رسالہ معراج العاشقین۔ نشاط العشق کا ترجمہ یہ سب آٹھویں

۱؎ میر تقی ص ۹۵ میر حسن ص ۷۸ گلشن ہند ص ۸۱ سخن شعرا ص ۱۲۰

۲؎ میر تقی ص ۷۸ میر حسن ص ۱۲۲ سخن شعرا ص ۳۶۹

اور نویں صدی کے درمیانی زمانہ میں تصنیف ہوئے اور ان سے نثر اردو کی قدامت کافی طور پر ثابت ہوتی ہے

شیخ عین الدینؒ کے رسالے مذہبی احکام و مسائل کے متعلق ہیں اور ان کا ایک مجموعہ قلعہ سینٹ جارج کی کالج لائبریری میں موجود تھا۔

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے معراج العاشقین کی تصحیح کی ہے اور اس پر ایک فاضلانہ دیباچہ بھی لکھا ہے، یہ کتاب ادبی نہیں ہے بلکہ تصوف کی ہے، تاہم اس زمانے کی زبان کا تھوڑا بہت پتہ ضرور لگتا ہے

حضرت میراں جی شمس العشاق نے بھی نثر اردو میں کئی رسالے لکھے ہیں منجملہ ان کے دو رسالے ہم نے بھی دیکھے ہیں اور شاہ صاحب نے ان میں تصوف کے اسرار و نکات تمثیل کے پیرائے میں بیان کیے ہیں۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں ملا وجہی ایک دکنی شاعر گذرے ہیں، دربار گولکنڈہ کے متوسل اور ملا غواصی کے معاصر تھے۔ ۱ ذی القعدہ ۱۰۴۰ھ کو سلطان عبداللہ کے محل میں شاہزادہ تولد ہوا تو انہوں نے مصرع ذیل سے اس کی تاریخ نکالی اور اسے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا۔

"آفتاب از آفتاب آمد پدید"

ملا نظام الدین احمد نے حدیقۃ السلاطین میں اس واقعہ بدین الفاظ بیان کیا ہے۔

وبہ شکرانۂ ایں موہبت خاقان سکندر منزلت مبلغی کلی بعلماء و فضلاء و صلحاء
اکرام و احسان فرمودند و بفقرا و مساکین نقود و اجناس بسیار تصدق نمودند
و جمعی از شعرا تاریخہائے کہ یافتہ بودند بمسامع جاہ و جلال خسرو یوسف جمال رسانیدند
ازاں جملہ سہ تاریخ مرقوم گردید، اول تاریخ کہ ملا وجہی شاعر دکنی یافتہ است
"آفتاب از آفتاب آمد پدید"

ملا وجہی نے ۱۰۴۵ھ میں ایک کتاب سب رس کے نام سے نثر اردو میں لکھی ہے اس کی عبارت اول سے آخر تک مسجع و مقفع ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملا وجہی نے اس کے لکھنے میں ملا نور الدین ظہوری کی سہ نثر کی تتبع کی ہے جو سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے نورس نامہ پر بطور دیباچہ لکھی گئی ہے مولوی عبد الحق صاحب بی۔ اے نے سب رس کے متعلق ایک فاضلانہ مضمون لکھا ہے اور اس میں کتاب کے مصنف، مضامین، زبان اور دیگر متعلقات پر خوب بحث کی ہے یہ مضمون رسالہ اردو کی جلد چہارم میں شائع ہوا ہے۔

شرح تمہیدات عین القضاۃ

عین القضاۃ ہمدانی قرن ششم کے اولیائے کبار سے ہیں آپ کا نام ابو الفضائل عبد اللہ بن محمد ہے ہمدان میں پیدا ہوئے شیخ محمد بن حمویہ کے شاگرد اور شیخ احمد غزالی کے تربیت یافتہ تھے، آپ نے عربی اور فارسی میں متعدد کتابیں لکھی ہیں، اور ان میں تصوف کے اسرار و حقائق کو اس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ایسا کسی دوسرے مصنف نے کم بیان کیا ہوگا ۵۳۳ھ میں انتقال ہوا، اور قزوین میں

مدفون ہوئے [1]

تمہیدات کے نام سے آپ نے ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں تصوف کے رموز شریعِ و عقائد کے مسائل، بعض آیات قرآنی کے حقائق و دقائق بیان کئے ہیں۔ قرنِ یازدہم کے نصف آخر میں سید میراں جی حسینی نے دکنی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے، بزرگ حیدرآباد کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں، ابتداءً شاہی ملازمین میں شامل تھے۔ سلطان علی عادل شاہ ۱۰۶۷ھ میں برسرِ حکومت ہوا تو سلطان عبداللہ نے انہیں سرکاری ضرورت پر بیجاپور بھیجا، وہاں شیخ امین الدین اعلیٰ سے ملاقات ہو گئی اور ان کی توجہ سے فنافی الشیخ کا درجہ حاصل ہو گیا، اس کے بعد حیدرآباد واپس آئے اور مسندِ مشیخت پر رونق افروز ہوئے۔ ۱۸ رجمادی الاول ۱۰۸۰ھ کو انتقال کیا، حیدرآباد اور گولکنڈہ کے مابین موضع عبد اللہ پور میں مدفون ہوئے، آپ کے فرزند شاہ امین الدین ثانی نے مزار پر گنبد بنوایا جو اس وقت موجود ہے اور نکر کی گنبد کے نام سے مشہور ہے آپ نے ترجمہ تمہیدات کے علاوہ دکنی زبان میں کئی رسالے لکھے ہیں مثلاً رسالہ وجودیہ، رسالہ قربیہ وغیرہ

تمہیدات کا ترجمہ کس عہد میں تمام ہوا ہے اس کا تذکرہ دیباچہ میں نہیں ہے۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ شیخ امین الدین کی بیعت اور بیجاپور کی واپسی

---

[1] نفحات الانس صفحہ ۴۱۴۔ سفینۃ الاولیا صفحہ ۱۶۸ مجمع الفصحیٰ جلد اول صفحہ ۳۴۰۔ نتائج الافکار صفحہ ۲۷۹۔ محبوب الاولیا صفحہ ۱۰۴

کے بعد شاہ صاحب نے اسے تصنیف کیا ہے۔ اس بنا پر ہم بآسانی کہہ سکتے ہیں وفات سے کچھ عرصہ پہلے یہ ترجمہ تمام ہوا ہے۔

شمائل الاتقیا و دلائل الانقیا: شیخ برہان الدین غریب حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کے خلفاء عظام سے ہیں، آپ اپنے مرشد کے حکم سے سات سو بزرگوں کے ساتھ دکن کی جانب روانہ ہوئے اور یہاں پہنچ کر دولت آباد میں سکونت اختیار کی اور اسی جگہ ۱۲ر صفر ۳۲ھ کو انتقال فرمایا۔

آپ کے مریدوں میں شیخ رکن الدین بن عماد کاشانی ایک مشہور مصنف گذرے ہیں انہوں نے ایک کتاب میں اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور اس کا نام نفائس لانفاس رکھا ہے اس کے علاوہ ایک ضخیم کتاب شمائل الاتقیا، و دلائل الانقیا، کے نام سے لکھی ہے۔ اس کے مضامین عربی فارسی کی سو سے زیادہ کتابوں سے ماخوذ ہیں اور انہیں چار اقسام کے تحت میں بیان کیا ہے ۱۰۷۱ھ کے بعد یعنی سلطنت قطب شاہی کے انقراض (۱۰۹۸ھ) سے دس پندرہ سال پہلے ایک دکھنی بزرگ میراں یعقوب نے اس کا ترجمہ زبان دکھنی میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ نہایت صاف وسادہ زبان میں ہے مترجم نے کتاب میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا ہے، مضامین اور ان کی تقسیم اصل کے بالکل مطابق ہے۔

لہ مراۃ الاسرار۔ لہ شمائل الاتقیا کے لئے دیکھئے اینتھے نمبر ۱۸۳۶،

لہ یہ ترجمہ کتب خانہ آصف میں فن تصوف کے نمبر ۶۷۳، پر موجود ہے،

مصنف نے کتاب کے مضامین چار اقسام پر تقسیم کیے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا قسم۔ طریقت کے لوگاں کے افعال۔ ہور رسالکان کے مقاماں ہور طالباں کے طلباں، ہور اس کے عجائبات، ہور بارہ بجیاں کی شرح میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا۔ حقیقت کے لوگاں یعنے پیغمبراں، ہور خاص الخاص ولیاں کے بیاں ہیں

تیسرا۔ خدا کے پانچو وجود، ہور ذات کی جگوگی کا۔ ہور ازل، ہور ابدالاباد کے بیان کا، ہور امر، ہور حکم، ہور قضا، ہور قدر کے نازکیاں کا ہور محمد کے جنس جنس کے لوازیاں کا حکم کا بیان۔

چوتھا قسم۔ مہتر آدم کی پیدائش کا۔ ہور صفتاں کا، ہور دنیا کے بڑیاں کا، ہور گنہگار بندگان امیدواراں ہور نیو کے ہیں خدا کے عنایات کا بیان۔

نور دریا قادری کے رسالے

رائچور میں جس جس کا نام عالمگیر نے فیروز نگر رکھا ہے[1] ایک خاندان نور دریا کے نام سے مشہور ہے اس خاندان کے مورث اعلیٰ سید شاہ محمد قادری[2] بیجاپور کے باشندے اور شیخ امین الدین اعلیٰ المتوفی ۱۰۸۵ھ کے خلیفہ تھے[3] عالمگیر کے زمانے میں گذرے ہیں آپ نے زبان دکنی میں کئی رسالے لکھے ہیں ان میں تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں منجملہ ان کے ایک مجموعہ میں ہم نے آپ کے دو رسالے دیکھے ہیں جن میں مسائل وحدۃ الوجود اور قضا و قدر پر بحث ہے۔

---

[1] مآثر عالمگیری ص ۴۳۲ [2] روضۃ الاولیاء بیجاپور ص ۲۱ [3] روضۃ الاولیا ص ۱۲

معرفۃ السلوک شیخ محمود خوش وہاں۔ بیجاپور کے مشہور بزرگ ہیں، شاہ برہان الدین جانم کے مرید اور شاہ امین الدین اعلیٰ کے پیر تربیت تھے ۹۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور روضہ امین الدین اعلیٰ میں مدفون ہوئے ہیں۔ آپ نے فارسی میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام معرفت السلوک[1] ہے، شاہ ولی اللہ قادری نے اپنے مرشد شاہ حبیب اللہ قادری کے ایما سے ۱۱۰۶ھ میں بزبان دکنی اس کا ترجمہ کیا۔ یہ بزرگ حیدرآباد میں رہا کرتے تھے نواب انورالدین شہامت جنگ کو ان سے خاص ارادت تھی۔ ۲۹۔ محرم ۱۱۴۲ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ حیدرآباد میں شہر سے باہر باغ گوڑ دہن کے قریب مدفون ہوئے مزار اور چبوترہ سراج الدولہ نواب محمد علی خاں والاجاہ حاکم ارکاٹ نے بنوایا ہے۔

اسرار التوحید قریب قریب اسی زمانہ میں ایک بزرگ شاہ میر نام قصبۂ راجولی میں گزرے ہیں، آپ نے بھی ایک رسالہ مسائل توحید کی نسبت لکھا ہے اور اس کا نام اسرار التوحید رکھا ہے[2]

یہ مختصر سرگذشت ہمارا تصنیفات کی جو نثر اردو میں گیارھویں صدی کے خاتمہ تک دکن میں لکھی گئی ہیں اس کے بعد کا زمانہ چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ان تصنیفات کے حالات کو ہم قلم انداز کرتے ہیں جو بارھویں صدی میں تصنیف ہوئی ہیں تاہم اس قدر بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ کتابیں تصنیف ہوئی ہیں لیکن

---

[1] یہ کتاب ۱۸۹۲ء میں نولکشور پریس میں چھپی ہے۔

[2] یہ رسالہ ۱۳۱۲ھ میں حیدرآباد میں چھپ گیا ہے۔

ان میں ادبی کتابیں ایک دو سے زیادہ نہیں بلکہ جس قدر ہیں وہ سب تصوف اور مسائل دین سے تعلق رکھتی ہیں ۔

شمالی ہند میں نثر اردو کی ابتدا

شمالی ہند میں نثر نویسی کی ابتدا بارھویں صدی سے شروع ہوئی ہے اور سب پہلی کتاب جو نثر اردو نثر اردو میں لکھی گئی ہے وہ مولانا فضلی کی دہ مجلس ہے ۔

یہ کتاب ۱۱۴۵ھ میں تمام ہوئی ہے[۱]، اس کے بعد محمد حسین کلیم نے ابن عربی کی فصوص الحکم کا ترجمہ کیا[۲]، قریب قریب اسی زمانہ میں عطا حسین خاں تحسین نے نوطرز مرصع لکھی ہے[۳] یہ سب نثر اردو کی ابتدائی کتابیں تھیں ۔

٭

انہیں ایام میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا اور انگریزوں کو اردو سکھانے کے لیے ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے نثر اردو میں متعدد کتابیں لکھوائیں[۵] اس کے بعد نثر نویسی کا رواج عام ہوگیا ۔

۱؎ آبِ حیات ص ۱۳ ۲؎ گلشن ہند ص ۱۴۵ ۳؎ تذکرہ خوش نویساں ص ۱۲۸

۴؎ نوطرز مرصع نواب شجاع الدولہ ۱۱۶۶ھ تا ۱۱۸۸ھ کے زمانہ میں تمام ہوئی ہے اس میں چہار درویش کا افسانہ مذکور ہے ۔ ۵؎ فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی فرمائش سے نثر اردو میں جتنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان کی مفصل کیفیت مضامین ذیل میں دیکھیے ، دیباچہ گلشن ہند از مولوی عبد الحق صاحب ص ۵ تا ص ۲۶ گل رعنا ص ۲۶۴ تا ص ۳۰۸ اردو زبان اور اہل یورپ از مولوی عبد الحق صاحب مندرجہ رسالہ اردو جلد سوم ص ۹۴ تا ص ۵

ضمیمۂ اوّل

شیخ سعدی

متعلقہ صفحہ ۱۵۴

اردو کے شعرائے قدیم میں ایک بزرگ شیخ سعدی گزرے ہیں تذکرہ نویسوں نے ان کے نام سے ابیات ذیل نقل کئے ہیں [1]

تشقہ چو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا دین ہے	گفتا ورائے با ورے اس ملک کی یہ ریت ہے
اے مرد ماں تم ہو فنا کتنی بڑی یہ ریت ہے	ہے ہے نے پرس کسے پر دیبیا ماریت ہے
ہم نانس کو دل دیا، تم دل لیا اور دکھ دیا	ہم یہ کیا، تم وہ کیا ایسی بھلی یہ پیت ہے
دو نینن کی کیہ کہوں، در درد خوں دل کروں	بیٹس سگ کو بیت دھروں پیا مانہ جائے بیت ہے
سعدی طرح انگیختہ شیر و شکر آمیختہ	در ریختہ، دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

بعض تذکرہ نویسوں ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی سے منسوب کیا ہے چنانچہ قائم چاندپوری اپنے تذکرہ مخزن نکات میں لکھتے ہیں۔

"اتفاق بعضے مورخین بیان ست کہ چوں شیخ سعدی شیرازی قدس اللہ روحہ در ہنگام سیر و سیاحت بطرف گجرات تشریف آوردند و مجاورت سومنات چنانکہ در نسخہ بوستاں خودش ابیاے براں فرمودہ اند کردند و ریختہ بر زبان اہل دیار وقوف یافتہ یک دو بیت ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد بر سبیل تفنن بقید نظم در آوردہ بعد ازاں حضرت امیر خسرو جہاں بنا طرح نغزہائے بسیار بکار بردند ہر چند سلیقہ سخن سنجی آں وقت

[1] یہ اشعار نکات الشعرا اور مخزن نکات سے منقول ہیں۔

دور از فصاحت ریختہ گویان حال است واز عبارات غیر مانوس مالامال لیکن بپاس طبیعت مشتاقان ہر جنس سخن دو سہ چہار بیت ازاں ابیات نبر گاہ تمنا دریں مقام قلمی میگردد واز آثار و احوال این ہر دو بزرگوار چہ نویسد کہ مورخاں سلف در کتب تاریخ متداولہ ضبط نمودہ اند و اظہر من الشمس و ابین من الامس است

بعض تذکرہ نویسوں کی رائے میں سعدی ریختہ گو، سعدی شیرازی کے علاوہ ہیں اور انہیں دکن کا باشندہ قرار دیتے ہیں چنانچہ میر تقی کا بیان ہے

"سعدی دکھنی آنچہ بعض ایں را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گماں بردہ اند خطا است"

میر فتح علی حسینی گردیزی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

"سعدی دکھنی از شعرائے قرارداہ دکن است و آنکہ بعضے اعزہ را بہ سبب اتحاد تخلص مغالطہ افتادہ ریختہ ہائے سعدی دکھنی را از عدم اعتنا و فقدان تتبع بنام سعدی شیرازی مرحوم ساختہ اند ناشی از جہل و تسفہ است"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سعدی ریختہ گو نہ تو سعدی شیرازی ہیں اور نہ انہیں دکن سے تعلق ہے بلکہ یہ ہندوستان شمالی کے باشندے ہیں، شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے معاصر تھے ۱۰۰۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے ملا نظام الدین احمد کا بیان ہے کہ کاکوری کے رہنے والے تھے [۱] بختاور خاں نے لکھا ہے کہ

"طبع موزوں داشتے و بزبان فارسی و ہندی شعر نیکو گفتے"

ملا عبد القادر بدایونی نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں [۲۸۶]

"از مشائخ عظام است خلافت از پدر و بزرگوار خویش شیخ محمد مرحوم داشتے

[۱] طبقات اکبری ص ۴۹۵

و شیخ محمد شرحے فارسی بر شاطبیہ نوشتہ قریب ہفتاد جزو، و خلف محمد قش شیخ سعدی صاحب وجد و حال قوی بود و ظاہر و باطن مصفا داشت و دائم منبسط و منشرح بودے و خوش وقت و آزاد زیستے یکے از احباب در رقعہ ہنگام وداع نوشتہ بود " دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

ضمیمہ دوم

طوطی نامہ[1]

متعلقہ صفحہ ۹۳

شکا سپت تتی نام سنسکرت میں ایک کتاب ہے جس کے معنی ہیں " طوطے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں مولانا ضیاء الدین[2] نخشبی نے ان ستر کہانیوں سے باون کہانیاں انتخاب کرکے فارسی میں ان کا ترجمہ کیا ہے یہ ترجمہ سنہ ۷۳۰ھ میں تمام ہوا.

اس کی زبان چونکہ نہایت مشکل و مغلق تھی اس لئے فارسی میں اس کے متعدد خلاصے لکھے گئے علاوہ ازیں مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں میں ان کا ترجمہ بھی ہوا چنانچہ اس کی تفصیل ذیل میں درج ہے .

---

[1] یہ خلاصہ ہے ہمارے ایک مضمون کا جو رسالہ مخزن بابت جولائی سنہ ۱۹۱۱ء میں "طوطا کہانی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے اور اس میں ہم نے طوطی نامہ کی اصلیت اور اس کے مختلف تراجم کی مفصل کیفیت بیان کی ہے۔ [2] مولانا ضیاء الدین نخشبی بہت بڑے عالم اور ذی کے بلند پایہ مصنف گذرے ہیں بدایوں کے رہنے والے تھے سنہ ۷۵۱ھ میں فوت ہوئے طوطی نامہ کے علاوہ سلک السلوک عشرہ مبشرہ و کلیات و جزئیات انکی مشہور و مقبول عام تصنیفات ہیں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں انکا تذکرہ

مولانا نخشبی کی کتاب کے خلاصے

(۱) شیخ ابوالفضل علامی نے دسویں صدی کے وسط میں سلیس و آسان فارسی میں اس کا خلاصہ کیا

(۲) ملا سید محمد قادری نے مولانا نخشبی کی باون حکایات سے پینتیس حکایات انتخاب کر کے انہیں گیارہویں صدی میں شرفا کی روزمرہ فارسی میں لکھا۔

یہ خلاصے بھی طوطی نامہ کے نام سے مشہور ہیں، پہلا نایاب ہے دوسرا سنہ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ میں اور سنہ ۱۸۰۱ء میں لندن میں چھپا ہے اس کے بعد بمبئی سے اس کے کئی اڈیشن شائع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتا ہے

مولانا نخشبی کی کتاب کے تراجم

(۱) ترکی زبان میں بعہد سلطان سلیمان اعظم (سنہ ۹۲۶ھ تا ۹۷۴ھ) شیخ عبداللہ صاری نے ترجمہ کیا جو سنہ ۱۲۵۲ھ میں بولاق میں اور سنہ ۱۳۰۱ھ میں طبع ہوا ہے جارج راسین GEORGE ROSEN نے اس ترکی ترجمہ کو جرمن میں ترجمہ کیا ہے جو سنہ ۱۸۵۸ء میں لیپزگ میں طبع ہوا ہے۔

(۲) دکھنی زبان میں دو ترجمے ہوئے ہیں اور دونوں منظوم ہیں۔

(۱) ترجمہ غواصی کا ہے جو سنہ ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے اس کا ایک نسخہ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اردو کے یہاں موجود ہے۔

(۲) ترجمہ ابن نشاطی نے سنہ ۱۰۶۶ھ میں کیا ہے۔

(۳) انگریزی میں جیرانس GAI RANS نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۷۹۲ء میں لندن میں چھپا ہے۔

ملا سید محمد قادری کی کتاب کے تراجم

(۱) دکھنی میں ۱۱۴۲ھ میں ترجمہ ہوا، مترجم کا نام معلوم نہیں اس کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۲) اردو میں سید حیدر بخش حیدری نے ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی فرمائش سے ۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء میں ترجمہ کیا۔ اور طوطا کہانی نام رکھا۔ یہ کتاب ۱۸۲۵ء میں ڈاکٹر فاربس کے اہتمام سے لندن میں چھپی ہے، ہندوستان میں اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتی ہے

(۳) انگریزی میں گلاڈوین GLADWIN نے ترجمہ کیا ہے جو فارسی متن کے ساتھ ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں چھپا ہے۔

(۴) جرمن میں پروفیسر ایکن IKEN نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۲۲ء میں اسٹاٹگرٹ میں طبع ہوا ہے۔

ریو ۵۳۲ ایتھے نمبر ۷۴۳، ۷۵۲ - ریکو جلد اول نمبر ۷۳۰

طوطی نامے کے خلاصے اور ترجمے

سنسکرت (اصل)

- **خلاصے**
  - ابوالفضل علامی کا خلاصہ — دسویں صدی
  - سید محمد قادری کا خلاصہ — گیارہویں صدی
    - دکھنی ترجمہ — سنہ ۱۱۴۲ھ
    - انگریزی ترجمہ — از گلاڈوین — سنہ ۱۸۰۰ء
    - اردو ترجمہ — سید حیدر بخش حیدری — سنہ ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء
      - ہندی ترجمہ جس کا نام ہے شوک بہتری — سنہ ۱۸۸۶ء
    - جرمن ترجمہ — پروفیسر ایکین — سنہ ۱۸۲۲ء
- **ترجمے**
  - ترکی ترجمہ — از عبداللہ بخاری — مابین [illegible] سنہ ۹۷۴ھ
    - انگریزی ترجمہ — جیرانس — سنہ ۱۷۹۲ء
  - دکھنی ترجمہ — از ملا غواصی — سنہ ۱۰۴۹ھ
  - دکھنی ترجمہ — ابن نشاطی — سنہ ۱۰۷۶ھ
    - جرمن ترجمہ — جارج راسین — سنہ ۱۸۵۸ء

ضمیمہ سوم

حسن و دل

متعلق صفحہ ۳۹!

حسن و دل فارسی لٹریچر کا ایک مشہور تمثیلی فسانہ ہے اور اس کو نظم ونثر میں مختلف مصنفین نے تصنیف کیا ہے۔

(۱) مولانا فتاحی۔ ان کا نام محمد بن یحیٰی سیبک ہے۔ سلطان شاہ رخ مرزا (۸۰۷ھ تا ۸۵۰ھ) کے زمانے میں گذرے ہیں۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے ۸۵۳ھ میں انتقال ہوا ہے ان کے کئی تخلص تھے۔ تفاحی۔ فتاحی اسراری۔ خماری۔ لیکن ان میں فتاحی زیادہ مشہور ہے۔ حسن و دل اور شبستان خیال ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔

حسن و دل کا نام دستور عشاق ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے اس میں پانچہزار ابیات ہیں ۸۴۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔ چنانچہ خاتمہ میں اس کا ذکر مصنف نے اس طرح کیا ہے۔

پے ایں روضۂ بستان عالم   چو تاریخ تمامش دار "خرم"

گرین شیلڈ GREENSHIELD نے اسے ۱۹۲۶ء میں نہایت اہتمام کے ساتھ پیرس میں چھپوایا ہے۔

دولت شاہ طبع لیڈن ص۲۱۷ بمبئی ص۱۸۳ لاہور ص۲۸۶ حبیب السیر جلد سوم جزو سوم ص۱۴۹

(۲) مولانا صرفی۔ نام صلاح الدین ہے، سادہ کے رہنے والے اور ملا محتشم کاشی کے شاگرد تھے، شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے اور کچھ زمانہ ملا نظام الدین احمد بخشی کے ساتھ گجرات میں بسر کیا پھر فیضی کے ساتھ دکن چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا، حسن و دل کو انھوں نے نظم فارسی میں لکھا ہے، یہ نہایت موثر اور زور دار مثنوی ہے ۹۹۳ھ میں تمام ہوئی ہے "عاشق و معشوق" اس تاریخ نکلتی ہے۔

(۳) بجود۔ ملا جامی۔ ان کا لقب ہے، لاہور کے رہنے والے تھے عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ میں گذرے ہیں، بادشاہ نے انہیں نام دار خاں کا خطاب عنایت کیا تھا۔ تاریخ خوب کہا کرتے تھے ۱۰۹۶ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے، حسن و دل کو انہوں نے بھی نظم کیا ہے نہایت اچھی مثنوی ہے اور ابتدا اس کی مصرع ذیل سے ہوئی ہے۔

الٰہی بہ مستان بزم نیاز

سرخوش نے کلمات الشعرا میں ان کے حالات لکھے ہیں

(۴) خواجہ محمد بیدل۔ یہ بزرگ شیخ عبدالقادر بیدل کے علاوہ ہیں اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گذرے ہیں، انھوں نے حسن و دل کو نثر فارسی میں لکھا ہے "داغ دلبند" سے اس کی تاریخ نکالی ہے۔ ابتدا کی پہلی سطر یہ ہے۔

گوہر بحر حمد و ثنا و جواہر معدن شکر و عطا شار دربارگاہ آں بادشاہ کشور حسن و جمال۔

حسن و دل کے متعلق بعض مفید معلومات کیلئے ڈاکٹر ایتھے کا مضمون

NEU PERSISCHEN LITTRATUR - G. I. PH. VOL - II. P. 334.

کتابیات

تاریخ

نام کتاب	نام مصنف	مقام و سنہ طباعت
(۱) دول الاسلام	امام شمس الدین ذہبی	حیدرآباد سنہ ۱۳۳۷ھ
(۲) المختصر فی اخبار البشر	ابوالفدا حموی	مصر سنہ ۱۳۲۵ھ
(۳) تاریخ جہانکشائے	ملا علاء الدین جوینی	لیڈن سنہ ۱۳۲۹ھ
(۴) جامع التواریخ	وزیر رشید الدین فضل اللہ ہمدانی	لیڈن سنہ ۱۳۲۹ھ
(۵) طبقات ناصری	قاضی منہاج الدین جوزجانی	کلکتہ سنہ ۱۸۶۴ء
(۶) روضۃ الصفا	میر اخوند محمد بن خاوند شاہ المتوفی سنہ ۹۰۳ھ	بمبئی سنہ ۱۲۹۱ھ
(۷) حبیب السیر	میر غیاث الدین اخوند میر المتوفی سنہ ۹۴۲ھ	بمبئی سنہ ۱۲۷۳ھ
(۸) تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف	کلکتہ سنہ ۱۸۹۱ء
(۹) بابر نامہ	محمد ظہیر الدین بابر بادشاہ	قازان سنہ ۱۸۵۷ء
(۱۰) آئین اکبری	شیخ ابوالفضل علامی	لکھنو سنہ ۱۸۶۹ء
(۱۱) طبقات اکبری	ملا نظام الدین احمد بخشی	لکھنو سنہ ۱۸۷۵ء
(۱۲) اقبال نامہ جہانگیری	محمد شریف معتمد خاں	لکھنو سنہ ۱۸۷۰ء
(۱۳) منتخب التواریخ	شیخ عبدالقادر بدایونی	لکھنو سنہ ۱۸۶۵ء
(۱۴) تاریخ فرشتہ	حکیم محمد قاسم فرشتہ	لکھنو سنہ ۱۸۶۴ء

نام کتاب	نام مصنف	مقام و سنہ طباعت
(۱۵) منتخب اللباب جلد سوم	محمد ہاشم خافی خاں	کلکتہ سنہ ۱۹۲۵ء
(۱۶) حدیقۃ السلاطین	ملا نظام الدین احمد شیرازی	قلمی مملوکہ مولوی سید علی اصغر بلگرامی
(۱۷) حدیقۃ العالم	نواب میر عالم موسوی	حیدرآباد سنہ ۱۳۱۰ھ
(۱۸) بساتین السلاطین	محمد ابراہیم زبیری	حیدرآباد سنہ ۱۳۰۷ھ
(۱۹) مآثر عالمگیری	محمد ساقی مستعد خان	کلکتہ سنہ ۱۸۷۳ء
(۲۰) مرآۃ احمدی	علی محمد خاں دیوان	بمبئی سنہ ۱۳۰۷ھ
(۲۱) تحفۃ الکرام	علی شیر قانع	دہلی سنہ ۱۳۰۴ھ
(۲۲) سلسلۂ آصفیہ	سررشتہ علوم و فنون سرکار عالی	آگرہ سنہ ۱۸۹۶ تا سنہ ۱۹۰۴ء
(۲۳) تاریخ خورشید جاہی	منشی غلام امام خان دہلوی	حیدرآباد سنہ ۱۲۹۱ھ

(تراجم صوفیہ)

(۲۴) اسرار الاولیا	خواجہ بدر الدین	لکھنو سنہ ۱۸۷۶ء
(۲۵) جواہر فریدی		لکھنو
(۲۶) اخبار الاخیار	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	دہلی سنہ ۱۸۷۶ء
(۲۷) سفینۃ الاولیا	محمد دارا شکوہ	لکھنو سنہ ۱۸۸۴ء
(۲۸) خزینۃ الاصفیا	مفتی غلام سرور لاہوری	لکھنو سنہ ۱۸۷۴ء
(۲۹) زاد المتقین	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	قلمی

تراجم شعرا

(۳۰) لباب الالباب	نور الدین محمد عوفی	لیڈن سنہ ۱۹۰۶ء
(۳۱) ہفت اقلیم	امین احمد رازی	کلکتہ سنہ ۱۹۱۸ء
(۳۲) سرو آزاد	میر غلام علی آزاد بلگرامی	لاہور سنہ ۱۹۱۳ء
(۳۳) نتائج الافکار	محمد قدرت اللہ خاں گوپاموی	مدراس سنہ ۱۲۵۹ھ
(۳۴) گلستان سخن	مرزا قادر بخش صابر	لکھنو سنہ ۱۲۷۱ھ
(۳۵) نکات الشعرا	میر تقی	انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۰ء
(۳۶) تذکرہ شعرائے ریختہ	میر حسن دہلوی	انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۲ء
(۳۷) گلشن ہند	مرزا علی لطف	لاہور سنہ ۱۹۰۶ء
(۳۸) گل رعنا	مولوی عبد الحی ندوی	اعظم گڑھ سنہ ۱۳۴۳ء
(۳۹) گلشن بیخار	نواب مصطفی خاں شیفتہ	لکھنو سنہ ۱۲۹۱ھ
(۴۰) گلشن بیخزاں	محمد قطب الدین باطن	لکھنو سنہ ۱۲۹۵ھ
(۴۱) آب حیات	مولوی محمد حسین آزاد	دہلی سنہ ۱۸۹۶ء
(۴۲) تذکرہ شعرائے دکن	مولوی عبد الجبار ملکاپوری	حیدرآباد سنہ ۱۳۲۹ھ
(۴۳) مخزن نکات	محمد قیام الدین قائم	قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ
(۴۴) چمنستان شعرا	لچھمی نرائن شفیق	قلمی مخزونہ کتبخانہ آصفیہ

(تراجم عام)

(۴۵) سبحۃ المرجان	میر غلام علی آزاد بلگرامی	بمبئی سنہ ۱۳۰۳ھ

(۴۶) نجوم السماء	محمد صادق لکھنوی	لکھنو ۱۳۰۳ھ
(۴۷) محبوب الاولیا	مولوی خدا بخش خاں	حیدرآباد ۱۳۰۰ھ
(۴۸) تذکرہ علمائے ہند	مولوی رحمان علی	لکھنو ۱۸۹۴ء
(۴۹) تذکرہ خوشنویساں	غلام ہفت قلم	کلکتہ ۱۹۱۰ء
(۵۰) روضۃ الاولیائے بیجاپور	محمد ابراہیم زبیری	رائچور ۱۳۰۳ھ
(۵۱) سخن شعرا	عبدالغفور خاں نساخ	لکھنو ۱۲۹۱ھ

متفرق

(۵۲) عجائب الاسفار	ابن بطوطہ	لاہور ۱۸۹۷ء
(۵۳) آثار الصنادید	ڈاکٹر سر سید احمد خاں	کانپور ۱۹۰۴ء
(۵۴) باغ و بہار	میر امن دہلوی	لندن ۱۸۸۹ء
(۵۵) دریائے لطافت	انشاء اللہ خاں انشا	لکھنو ۱۹۱۶ء
(۵۶) تحقیق زبان ریختہ	عبدالغفور خاں نساخ	لکھنو ۱۸۹۰
(۵۷) دبستان مذاہب	ذوالفقار اردستانی	کلکتہ ۱۲۲۴ھ
(۵۸) جذب القلوب	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	کلکتہ ۱۲۷۱ھ
(۵۹) منتخبات فارسی	موسیو شیفر	پیرس ۱۸۶۵ء
(۶۰) ترجمہ انوار سہیلی	محمد ابراہیم بیجاپوری	مدراس ۱۸۲۸ء
(۶۱) کشف الظنون	حاجی خلیفہ مصطفیٰ چلپی	مصر ۱۳۱۰ھ
(۶۲) ریاض الجناں	محمد باقر آگاہ	حیدرآباد ۱۳۰۰ھ

(۶۳) بحر الفضائل	محمد بن قوام بن رستم بلخی	قلمی کتب خانہ آصفیہ
(۶۴) ادات الفضلا	قاضی خاں ملا ندر محمد دہلوی	″ ″
(۶۵) شرف نامہ	قوام الدین ابراہیم فاروقی	″ ″
(۶۶) موید الفضلا	شیخ لاد دہلوی	لکھنؤ ۱۸۸۴ء
(۶۷) بہار عجم	ٹیک چند بہار	لکھنؤ ۱۸۷۹ء
(۶۸) رسالہ اردو	انجمن ترقی اردو بابت ۱۹۲۲ء ۱۹۲۸ء	
(۶۹) لسان العصر	بابت ۱۹۱۱ء	
(۷۰) اورنٹیل کالج میگزین	بابت ۱۹۲۵ء	

قدیم تصنیفات

قدیم تصنیفات کے قلمی اور چھپے ہوئے نسخے جو دوران تالیف میں مولف کے پیش نظر رہے ہیں

احکام الصلوٰۃ ۔ از شاہ ملک (ص ۱۲۵) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۷۶ھ

پنچھی باچھا از وجدی (ص ۱۴۳)، ایک قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۲۳۰ھ ۔ چار مطبوعہ، مدراس ۱۲۷۲ھ و ۱۳۱۲ھ و بمبئی ۱۲۹۰ھ ۱۳۱۹ھ

پھولبن ۔ از ابن نشاطی (ص ۹۸)، دو نسخے قلمی مکتوبہ ۱۲۰۳ھ موجودہ کتب خانہ آصفیہ مکتوبہ ۱۲۵۱ھ مملوکہ مولف ۔

تحفۂ عاشقاں ۔ از وجدی (ص ۱۴۱)، ایک نسخہ قلمی، مملوکہ مولوی ظفریاب خاں صاحب

تحفۃ العاشقین ۔ از سید میراں حسینی (ص ۹۵)، ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۲۷۲ھ مملوکہ مولف

تحفۃ النصائح ۔ از ملا قطبی (ص ۹۶) دو نسخے مکتوبہ ۱۱۸۲ھ مملوکہ مولف مکتوبہ ۱۲۰۶ھ مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر

تنبیہ نامہ از ولی بیجاپوری ص۱۴۶ ایک قلمی نسخہ۔ مملوکہ مؤلف۔
جواہر الاسرار اللہ از سید شاہ علی حسینی گانوں دھنی ص۱۷ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی ۱۲۴۵ھ
خوب ترنگ معہ امواج خوبی از شیخ خوب محمد چشتی ص۱۳ ایک نسخہ مطبوعہ پٹن ۱۳۲۰ھ
خاور نامہ از رستمی ص۱۱۸ ایک نسخہ قلمی مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات۔
دیوان سراج ص۱۵۳ دو نسخے قلمی مکتوبہ ۱۲۶۴ھ و ۱۲۸۹ھ موجودہ کتب خانہ آصفیہ
دیوان ولی ص۱۵۰ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۹۹ھ مملوکہ مؤلف۔ تین نسخے مطبوعہ پیرس ۱۸۳۴ء
لکھنؤ ۱۸۷۸ء انجمن ترقی اردو ۱۹۲۷ء

دیپک پتنگ از سید محمد عشرتی ص۱۳۸ ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر
رسالہ قربیہ از امین الدین اعلیٰ ص۱۲۵ ایک قلمی نسخہ ناقص الآخر۔ مملوکہ مؤلف
رسالہ وجودیہ۔ از قاضی نور دریا ص۱۶۳ ایک نسخہ قلمی موجود کتب خانہ آصفیہ فن تصوف ۶۱۴ھ
روضۃ الشہدا۔ از ولی دکنی ص۱۲۱ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۲۸۰ھ دو نسخے مطبوعہ بمبئی ۱۲۹۷ھ و ۱۳۱۳ھ
سب رس۔ از ملا وجہی ص۱۴۶ تین نسخے قلمی (۱) مکتوبہ ۱۲۲۵ھ (۲) ناقص الآخر موجودہ کتب خانہ
آصفیہ فن تصوف ۹۵ و ۱۳۲ (۳) مکتوبہ ۱۱۸۲ھ مملوکہ مؤلف
شرح تمہیدات۔ از سید میراں جی خدا نما ص۱۶ ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مؤلف نے اسے بمقام
ویلور کتب خانہ واقع مدرسہ لطیفیہ میں دیکھا ہے
شمائل الاتقیا۔ از سید میراں یعقوب ص۱۶۲ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۶۳ھ موجودہ کتبخانہ آصفیہ فن تصوف ۴۴۳
طوطی نامہ۔ از ملا غواصی ص۹۱ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۹۴ھ مملوکہ مؤلف
عشق نامہ۔ از عبد المومن ص۱۲۵ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۱۳ھ موجودہ کتبخانہ آصفیہ سوانح عمری ۲۵۰
علی نامہ۔ از ملا نصرتی ص۱۳۰ ایک نسخہ قلمی ملا تاریخ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات
قصہ بہرام و حسن بانو۔ از امین و دولت ص۶۲ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۰ھ
قصہ بہرام و گل اندام۔ از طبعی ص۱۰۱ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۹۳ھ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم
قصہ چندر بدن۔ از مقیمی ص۱۳۲ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۰ھ

قصۂ رتن پدم ۔ از ولی دکنی ص۱۲۴ ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مؤلف نے اسے بمقام ویلور مدرسہ لطیفیہ میں دیکھا ہے

قصۂ رضوان شاہ ۔ از فائز ص۱۰۳ ایک نسخہ قلمی موجودہ کتبخانہ آصفیہ قصص ۱۲۱

قصۂ سیف الملوک ۔ از ملا غواصی ص۹۳ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۹۰ھ دو نسخے قلمی مکتوبہ سنہ ۱۱۹۲ھ مملوکہ مؤلف ۔ مکتوبہ سنہ ۱۲۲۳ھ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات

قصۂ ملکہ مصر ۔ از عاجز دکنی ص۱۱۳ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۷ھ

گلدستۂ عشق از صنعتی ص۱۹۶ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۲۶ھ

گلشن احسان از سید علی احسان ص ایک نسخہ قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر

گلشن عشق ۔ از ملا نصرتی ص۱۳۹ تین نسخے قلمی (۱) مکتوبہ سنہ ۱۱۶۴ھ موجودہ کتبخانہ آصفیہ مثنویات ۲۹۹ (۲) مکتوبہ سنہ ۱۲۶۲ھ مملوکہ مصنف (۳) ناقص الاول و آخر مملوکہ مصنف

گنج عرفان ۔ از میراں جی شمس العشاق ص۱۱ ایک نسخہ مطبوعہ شاہ نور سنہ ۱۲۹۱ھ

مخزن عشق ۔ از وجدی ص۱۴۳ ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات

معراج العاشقین ۔ از خواجہ سید محمد گیسو دراز حسینی ص۶۳ ایک نسخہ مطبوعہ حیدرآباد سنہ ۱۹۲۷ء

معرفۃ السلوک ۔ از شاہ ولی اللہ حیدرآبادی ص۱۶۴ دو نسخے قلمی (۱) مکتوبہ سنہ ۱۱۹۵ھ (۲) بلا تاریخ موجود کتب خانہ آصفیہ تصوف ۲۴۸ و ۲۹۰

من لگن ۔ از محمود بحری ص۱۵۴ چار نسخے مطبوعہ مدراس سنہ ۱۲۶۸ھ و سنہ ۱۳۰۷ھ بنگلور سنہ ۱۳۱۱ھ و سنہ ۱۳۳۵ھ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۲۲۴ھ معہ ارث من لگن مملوکہ مؤلف ۔

نیہ درپن از بسراج احمد ص۱۳۹ ایک نسخہ قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر

ہدایت ہندی ۔ از ضعیفی ص۱۳۵ ایک نسخہ مطبوعہ مدراس سنہ ۱۲۸۷ھ

یوسف زلیخا ۔ از امین گجراتی ص۷۶ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۲ھ

یوسف زلیخا ۔ از ہاشمی ص۱۲۸ دو نسخے قلمی (۱) مکتوبہ سنہ ۱۱۷۱ھ مملوکہ مؤلف (۲) موجودہ کتب خانہ مخطوطات مشرقیہ مدراس

ملحقات

اردوئے قدیم

دورِ قدیم کے مشاہیر شعرا اور مصنفین

کی

زبان اور کلام کے نمونے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اوراق مابعد میں قدمائے مصنفین کا جو نمونۂ کلام جمع ہے اسے ادوار وازمنہ کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ زبان کے تغیرات اور عہد بہ عہد کی ترقیاں سلسلہ وار نمایاں ہو سکیں۔ اگر ناظرین ان نمونوں کو جغرافیائی تقسیم اور مقامی خصوصیات کے لحاظ سے مطالعہ کرنا چاہیں تو اس کے لئے کتاب کے ابواب و فصول کے ساتھ ان کی مطابقت کر لینا چاہیئے۔

نمونوں کے انتخاب میں کسی خاص مقصد کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے بلکہ کسی ایک مقام سے مسلسل ابیات یا عبارتیں نقل کر لی گئی ہیں تاکہ لسانیاتی نقطۂ نظر سے زبان کی حقیقی کیفیت ظاہر ہو سکے، اس زمانہ میں مضامین کی بندش، خیالات کی بلندی اور شاعرانہ جذبات بالکل فارسی شاعری کے تابع نظر آتے ہیں، ان چیزوں کے دکھانے کے لئے چیدہ چیدہ ابیات کے انتخاب کرنے کی ضرورت تھی، لیکن ایسا کیا جاتا تو زبان کے اصلی خدوخال پر پردہ پڑ جاتا اور یہ نمونے شعر و سخن کی بیاض بن جاتے، تاہم سلطان محمد قلی قطب شاہ، ملا غواصی، ملا نصرتی، میاں ہاشمی، عشرتی وغیرہ شعراء کے نمونوں سے اس عہد کی شاعری اور شعراء کے زور کلام کا تھوڑا بہت اندازہ ہو سکتا ہے ان نمونوں میں ہندی کے غیر مانوس الفاظ قدیم ترکیبیں اور متروک جملے ناظرین کو کثرت سے نظر آئیں گے جن کی وجہ سے زمانۂ حال میں انکا

سمجھنا اور ان کے مطالب سے بہرہ ور ہونا دشوار ہوگیا ہے لیکن دکنی زبان قدیم املا اور بعض صرفی و نحوی خصوصیات سے واقف ہونے کے بعد یہ مشکل آسانی سے حل ہو جاتی ہے ۔ اس لیے ہم ذیل میں پہلے ان امور کی نسبت چند خاص خاص باتیں بیان کرتے ہیں ۔ اس کے بعد بعض مشکل الفاظ کے معنی بھی لکھ دیتے ہیں ، اس بارے میں ہارس کی قدیم دکنی ڈکشنری (۱۱۸۶ھ) اور ملا محمد مہدی واصف کی ہندی لغات (۱۲۴۹ھ) من لگن اور دکنی انوار سہیلی کے فرہنگوں سے ہمیں بہت بڑی مدد ملی ہے ۔

۱۔ دکنی تصنیفات میں عربی فارسی الفاظ کا املا مروجہ قاعدہ کے خلاف نظر آتا ہے اور اہل دکن نے ہندی اصوات کے لحاظ سے ان کا تلفظ تحریر کیا ہے ۔

مثلاً مروجہ املا	تسبیح	دکنی املا	تسبی
"	دعویٰ	"	داوا
"	خوشی	"	خُشی
"	صبح	"	صبا
"	صحیح	"	صحی
"	نفع	"	نفا
"	وضع	"	وضا

اسی طرح اکثر ہندی الفاظ کا املا بھی ان کتابوں میں اختلاف کے ساتھ نظر آتا ہے ۔ مثلاً

تجھ تجھے تجھ کو	تج۔ تجے۔ تجکوں
مجھ مجھے مجھ کو	منج۔ منجے منجکوں
ساتھ	سات
ہاتھ	ہات
کچھ	کچ
سکھ	سک
بکھ	بک

۲۔ دکنی بولنے والے عام طور پر اسم کے آخر میں الف نون زیادہ کرکے جمع بناتے ہیں۔ مثلاً

آنکھ	سے	انکھیاں	انجو	سے	انجواں
جنس	سے	جنساں	نعمت	سے	نعمتاں
نین	سے	نیناں	میوہ	سے	میواں

۳۔ دکنی میں عام طور پر ماضی کے آخر میں الف سے پہلے (ی) اضافہ کی جاتی ہے۔ مثلاً

کہا	کہیا	دیکھا	دیکھیا
رکھا	رکھیا	پکڑا	پکڑیا
لکھا	لکھیا		

۴۔ عطف کا (اور) دکنی میں ہمیشہ (ہور) لکھا جاتا ہے۔

۵۔ دکنی میں حرف (چ) کو اخیر میں زیادہ کرنے سے حصر اور

تخصیص کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً

اکیلا	سے	اکیلاچ	یعنی	اکیلا ہی
ایتا	سے	ایتاچ	”	اتنا ہی
تیرا	سے	تیراچ	یعنی	تیرا ہی
اپنا	سے	اپناچ	یعنی	اپنا ہی
ایک	سے	ایکیچ	یعنی	ایک ہی
توں	سے	توئچ	یعنی	تو ہی
واں	سے	وانچ	یعنی	وہاں ہی

کبھی کبھی (چ) سے پہلے (ہی) بھی اضافہ ہوا کرتا ہے۔ مثلاً
اکیلا ہیچ - ایتا ہیچ - اپنا ہیچ وغیرہ۔

۵۔ دکنی زبان میں حروف جارہ استفہام اور ضمائر وغیرہ کی حسب ذیل شکلیں ہوا کرتی ہیں۔

یہ	یہ۔ یو	وہ	وو۔ اون
سے	تے۔ سوں۔ سیں۔	سیتی	ستیں
تک	لگ۔ تلگ	کا	کیرا
کے	کہ	کی	کیری
نہیں	نین۔ نکو۔ نھیں	ہے	اہے۔ اچھے
ہو	اچھو	ہوں	اچھوں
میں	ماں۔ موں	وہاں	واں

یہاں	یاں	وہیں	ویں
یہیں	یئیں	ییں	منے۔ منیں
ہم	ہمن	ہمکو	ہمنا
تو	توں	تم	تمن
تمکو	تمنکوں	آپ	آپن۔ اپنین
اپنا	اپس کا	اوس	اون۔ تس
اس نے	انز۔ تتسنے	انھوں	انوں
آگے	اگل۔ اگن۔ اگو۔ اگیں	اندر	بہتر بھتر
باہر	بہار	نیچے	تل
اوپر	اپر۔ بالا	پاس	کن۔ کنے
بہت	بہوت	کبھی	کدھی۔ کدھیں۔ کبھیں
جو	جے	جوکوئی	جکوئی
جو کچھ	جکچھ	اتنا	اتنا۔ ایتا
کرتا	کیتا		

۷۔ بعض قدیم مصادر اور ان کے مشتقات جو مدت ہوئی کہ متروک ہوگئے ہیں۔

اُچھنا ۔ ہونا ۔ رہنا ۔ اچھے ۔ ہوئے ۔ رہے

اُنپڑنا ۔ پکڑنا

اوچانا ۔ اٹھانا ۔ بلند کرنا ۔ اوچا ۔ بلند

دسنا۔ دیکھنا۔ دسنا۔ دکھائی دینا۔ دسے۔ دیکھائے دے
سٹنا۔ ڈالنا پھینکنا۔ سٹ۔ ڈال۔ پھینک۔ سٹیا۔ ڈالا پھینکا
کاڑنا۔ نکالنا۔ کتا۔ کہنا۔ کتا۔ کہتا۔ کہتے۔ کہتے۔

۸۔ قدیم قاعدے کے موافق مصدر کا الف گراکر (ہار) اضافہ کرنے سے اسم فاعل بنتا ہے۔ مثلاً

اچھنا	سے	اچھنہار	سٹنا	سے	سٹنہار
دسنا	سے	دسنہار	کاڑنا	سے	کاڑنہار

۹۔ چند قدیم دکنی الفاظ کے معنی جو نمونوں میں آئے ہیں۔

ادھار۔	فہم و فکر	آرسی۔	آئینہ۔ ایرال اوپر۔ بالا
اپروپ	بیمثل	اچپل	شوخ۔ خوش طبع۔ ادک بہت زیادہ
ارت	معنی	اڑکا۔	پیسہ۔ انبر۔ لباس۔ پوشاک
اینت	نہایت	انجو۔	آنسو۔ انگار۔ آگ۔ آتش
باٹ	راستہ	باج	بغیر۔ سوا باؤلا۔ دیوانہ
بچن۔	بات۔ سخن	بن	بالفتح۔ باغ بن بالکسر۔ بغیر
بھنور۔	زنبور	بہیں۔	بھوئیں۔ زمین۔ پات۔ پیت
برگ۔	پتا	بتواس۔	پتے۔ پربت۔ پہاڑ۔ پنڈ۔ جسم۔ بدن
پنکھ۔	پرندہ	پوراں۔	قصہ۔ داستان۔ پون۔ ہوا
ترت۔	فی الفور	ترلوک۔	کائنات۔ موجودات عالم
ٹھل۔	زمین۔ جگہ	تلاؤ۔	تالاب۔ ٹھار۔ مکان۔ مسکن

ٹھاؤں ۔ جگہ۔ مکان   جگ ۔ جگت۔ زمانہ
جگل ۔ جنگل   جل۔ پانی   جوت۔ نور
جھنجھ ۔ تشویش   جیو۔ جی۔ دل۔ روح
چندر ۔ چاند   چندر گل ۔ گل چاندنی
چنگی ۔ چنگاری   درپن ۔ آئینہ
دھنگ ۔ خیال۔ روشن   دھنی ۔ مالک۔ تونگر
دیا ۔ دیوا۔ چراغ   رت ۔ ردت۔ موسم
رسن ۔ زبان   روپ ۔ شکل۔ صورت
روپا ۔ چاندی   رین ۔ رات
زرینا ۔ زیور   سار ۔ مانند
سرگ ۔ عالم بالا۔ فردوس   سری ۔ برابر
شنگل ۔ ہمہ۔ سب   سکن ۔ خوبی۔ شگون
سکی ۔ سہیلی   سمدور ۔ سمندر
سنسار ۔ دنیا۔ جہاں   سپنپورن ۔ ماہ کامل
سہس ۔ ہزار   سیس ۔ سر
سیوا ۔ پرستش۔ عبادت   سیوک ۔ خادم۔ خدمتگار
شاہ مارگ ۔ شاہراہ   عارس۔ عاروس۔ دلہن
ورنگ ۔ سیدھی تلوار   کال ۔ دشمن
کٹنگ ۔ فوج   کھورا۔ مغاک۔ گڑھا

گگن — آسمان — گل سورہ — سورج مکھی

گنبھیر — عمیق ۔ مردم سنجیدہ — گھن بالفتح — ابر ۔ سحاب

گھن بالکسر ۔ نفرت ۔ کراہت — گھنیرا ۔ بہت

لاگ — مہرد محبت ۔ — بغض و کینہ

مارگ — راستہ — مد ۔ شراب ۔ مکھ ۔ منھ

مہکار — خوشبو — میا ۔ محبت ۔ نار ۔ عورت

نھل — پاک و صاف — نچنت — بے فکر

نرمل — خالص ۔ بے عیب — نس — رات

نمن — نمونہ ۔ مانند

نون — خوبصورت ۔ حسین ۔ نین — آنکھ

نیر — پانی

—٭—

نمونہ کلام کی تقسیم ادوار و ازمنہ کے لحاظ سے

سنہ ۸۲۵ھ تا سنہ ۹۹۹ھ

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز سنہ ۸۲۵ھ معراج العاشقین۔ حضرت میراں جی شمس العشاق، شہادۃ التحقیق سنہ ۹۰۲ھ
سید شاہ علی گام دھنی سنہ ۹۷۳ھ - جواہر الاسرار   امین کمال - بہرام و حسن بانو

سنہ ۱۰۰۰ھ تا سنہ ۱۰۴۹ھ

سلطان محمد قلی قطب شاہ	کلیات	ملا احمد	لیلیٰ مجنوں
ملا وجہی	سب رس (سنہ ۱۰۴۴ھ)	میراں حسینی	تحفۃ العاشقین سنہ ۱۰۴۵ھ
ملا قطبی	تحفۃ النصائح (سنہ ۱۰۴۵ھ)	ملا غواصی	طوطی نامہ سنہ ۱۰۴۹ھ

سنہ ۱۰۵۰ھ تا سنہ ۱۰۹۹ھ

دولت	بہرام و حسن بانو (سنہ ۱۰۵۰ھ)	نصرتی	گلشن عشق (سنہ ۱۰۶۸ھ)
ابن نشاطی	پھول بن (سنہ ۱۰۶۶ھ)	شیخ امین الدین اعلیٰ	رسالہ قربیہ سنہ ۱۰۸۴ھ
میراں یعقوب	شمائل الاتقیا (سنہ ۱۰۹۰ھ)	ہاشمی	یوسف زلیخا سنہ ۱۰۹۹ھ
مقیمی	قصہ ملکہ مصر سنہ ۱۱۰۰ھ	سید شاہ میر	اسرار التوحید (سنہ ۱۱۰۱ھ)
عشرتی	دیپک پتنگ سنہ ۱۱۰۰ھ	شاہ ولی اللہ	معرفۃ السلوک سنہ ۱۱۰۹ھ
بحری	من لگن سنہ ۱۱۱۲ھ	ولی دکنی	روضۃ الشہداء سنہ ۱۱۱۹ھ
ہنر	نیم درپن (سنہ ۱۱۴۴ھ)	وجدی	پنچھی باچھا سنہ ۱۱۶۶ھ
ولی اورنگ آبادی	کلیات	سراج	منتخب دیوان
صنعتی	قصۂ فغفور چین (سنہ ۱۱۵۹ھ)		

نمونہ کلام کی تقسیم جغرافیائی اور مقامی خصوصیات کے لحاظ سے

سلاطین بہمنیہ اور شاہان گجرات کے دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

خواجہ بندہ نواز (۸۲۵ھ) معراج العاشقین ۔ سید شاہ علی گام دھنی ۹۷۳ھ جواہر اسرار اللہ

امین گجراتی ۔ قصہ بہرام و حسن بانو

(۲) قطب شاہی دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

سلطان محمد قلی قطب شاہ — کلیات	ملا احمد — لیلیٰ مجنوں
ملا وجہی — سب رس (۱۰۴۵ھ)	میران حسینی — تحفۃ العاشقین
ملا قطبی — تحفۃ النصائح (۱۰۴۵ھ)	ملا غواصی — طوطی نامہ (۱۰۴۹ھ)
ابن نشاطی — پھول بن (۱۰۶۶ھ)	فائز — قصہ رضوان شاہ ۱۰۹۲ھ

(۳) عادل شاہی دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

شمس العشاق میراں جی ۹۰۲ھ — شہادت التحقیق	ملا نصرتی — گلشن عشق ۱۰۶۸ھ
امین الدین اعلیٰ — رسالہ قربیہ ۱۰۸۰ھ	میران یعقوب — شمائل الاتقیا ۱۰۹۰ھ
میاں ہاشمی — یوسف زلیخا (۱۰۹۸ھ)	

(۴) مغلیہ دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

مقیمی — قصہ بہار و چندر بدن ۱۰۵۰ھ	عاجز — قصہ ملکہ مصر ۱۱۰۰ھ
شاہ میر — اسرار التوحید ۱۱۰۱ھ	ملا مشرقی — دیپک پتنگ (۱۱۰۰ھ)
شاہ ولی اللہ — معرفت السلوک ۱۱۰۹ھ	بحری — من لگن ۱۱۱۲ھ
ولی دکنی — روضۃ الشہدا ۱۱۱۹ھ	ہنر — نیہ درپن ۱۱۴۲ھ

وجدی	پنچھی باچھ ۱۱۲۶ھ	ولی اورنگ آبادی کلیات
سراج	منتخب دیوان ۱۱۵۸ھ	

شمس العشاق میران جی

از شہادۃ التحقیق

بسم اللہ الرحمٰن — الرحیم توں سبحان
تو دانا اور بینا — توں سب تھے ہے توانا
یہ سب عالم تیرا — رزاق سب تیوں کیرا
تجھ بن اور نہ کوئی — نہ خالق دوجا ہوئے
جے تیرا ہوئے کرم — تو ٹوٹے سب ہی بھرم
اس کارن تجھ کو دہاوں — اور تیرا نام لیوں
تجھ نرتا کون جانے — اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار — کس منھ سوں کروں اچار
سب حال تجھ پہ بہنا — راکھے تیوں رہنا
جو تیرا امر جانے — اس نہی کون نہ مانے

صفت کروں میں اللہ کیری جے پوری پورن پور
قادر قدرت انگیکار دوں نیڑے نا دور
نا اس روپ نا اس دیکھ نا اس نقصان مکان

نو گنا گنو ننتار کرو ا کس ٹھہر کروں بکھان
لاشریک بے عدد واحد جہت جیزوں بھی باکھ
اچھے سکت سیوک کیتے عالم چنديں لاکھ
(رسالہ اردو جلد ہفتم)

سید شاہ علی حسینی

آپیں کھیلوں آپ کھلاؤں　　آپیں آپس لے نکل لاؤں

میرا ناؤں منجھے انت بھاوے　　میرا جی منجھے برچاوے
میری نینہ منجھے سوں مائے　　رہری اپنیں روپ لبھاوے

کہیں سو مجنوں ہو بر لاوے　　کہیں سو لیلی ہوئے دکھاوے
کہیں سو خسرو شاہ کہاوے　　کہیں سو شیریں ہو کر آوے

ابنن ایسی بوجھی سارد　　بوجھی تھی ان بوجھیا وارد

سرک اچھر ہور مندر بادی　　ہر جے اس منہ ندیاں بادی
مانک موتی سکہ سنگار　　اے سب بھیس پیا کا ساری

مکھ پہ بال بکھیر سو ساتھی — چھپکر ہوئے رات نگھاتی
دل سنبھال کر سو بکھرے لیا — دن ہوا دئے سورج جیسا

در رسالہ اردو جلد ہفتم،

امین

معاصر سلطان بہادر شاہ گجراتی

از داستان بہرام و حسن بانو

قصہ کون جو واقف ہو پاوے خبر — خدا کی خدائی میں تھا یک شہر
اسے شہر فارس رکھا نام تھا — وہاں بادشاہ نام بہرام تھا
اسم شاہ بہرام کا تھا اصل — اسے گور کے صید کا تھا شغل
لقب تب ہوا شاہ بہرام گور — نہ تھا کوئی جہان میں مثل اسکے اور
اتھا خوب صورت بہت بے مثال — نزاکت تھا بہت میں صاحب جمال
وہ تھا مرد عادل بڑا ذی قیاس — غریبوں کی ملجائے تھا وحباس
دنا یک روز بیٹھا تھا شہ نام دار — نجومی بولائے اسی وقت چار
کہو لے نجومی میرے راز کو — بدی اور نیکی جو میری کہو
کہیا یک نجومی نے اے کامگار — تیرے ملک کی حد ہے قائم چہار
کدھی تم سدھارو برائے شکار — یہ تینوں طرف کو تو ہو کر سوار
نہ چوتھے طرف کو سدھارو بھلا — جو جاؤگے واں تم تو ہے یہ خطا
کہا شہ نے اس کا سبب دے بتا — کہ چوتھے طرف کا بتا دے پتا

نجومی نے دل میں کیا تب فکر — کہوں سب احوال میں کھول کر
معما کہا ہے وہ سمجھائے گر — وہ نزدیک شہ کے کھڑا آن کر
سنو میں ہوں کہنا یہاں بے عدول — مبادا ادھر ہوئے خاطر ملول
کہا شاہ سن خوب کی تم نے بات — ولیکن ہے تقدیر سو رب کے ہات
نجومی کو شہ نے کیا تب رضا — فکر دل میں کرتا رہا اس دضا
کہ قسمت کا اپنے تو دیکھو مزا — ہووے گا وہی سچ کرے جو خدا
نجومی تو گھر کو گیا ہے چلا — جو کہنا و سننا برا یا بھلا
ولیکن جو حق کو تھا کرنا ہنر در — ہوئے بن نہ ٹلتا ہے ہونا ضرور
وہ چھوڑے نہ ہرگز جو تیر قضا — وہ ہوتا ہے جس میں ہے حق کی رضا
ہوا اس کا شہ کے ہے دل میں خیال — ہوا وسوسہ شہ کو از حد کمال

سلطان محمد قلی قطب شاہ

از کلیات ۔ مرتبہ سلطان محمد قطب شاہ

پلا ساقیا منج کوں مستانہ مے — کیا ہے بہوت گرم چنگ ہور نے
بجلے عشق کوچے میں ہے سلطنت — نہیں دیکھیا ہے کدھیں اس کو کے
سدا اچھو لبن اور مدہے منجے — نہیں ہے خماری کبھیں ہور دے
سنپورن ہے تج جوت سوں سب جگت — نہیں خالی تجہ نور تے کوئی شے



گر جا ہے میگہ سر تھنے تازہ ہوا ہے بت ای
پھولاں کی باس پایا بلبل ہزار داستاں

اے خوش خبر صبا توں جا جو ان فلاں کن
چمناں کی آرزو میں بیٹھے ہیں مئے پرستاں

او نو نہال پھولاں ہے جام خم سو بادہ
نرگس ایس پلک سوں جھاڑو کرے پرستاں

مکھ نور پردے سے یوں نج خط عنبریں او
جو سور اوپر ہے بادل پچھاں سو گلستاں

بیہوش ہیں دل کوں میٹھے ادھر جلائے
گلزار ہے عجب اوی دو لعل نگر ستاں

نج عشق کے گدا کوں اورنگ شاہی دینا
سب عاشقاں منج انکھے میں طفل جو دبستاں

روزی ہوا قطب شہ نج عشق کا پیالہ
بھرے ہیں ہر طرف توں جم شوق کے خمستان

دکھ ایک ہے ہر ٹیک کد یس لاکھ چمن ہے
لکھ جوت ہے ہر ٹھار و لے ٹیک رتن ہے

سمدر ہے یک ہور ندیاں ہیں سو ہزاراں
باناں سو کروڑاں ہیں و لے ٹیک وتن ہے

کس ٹھار ہیں و نتا نہیں سب ٹھار ہے بھرپور
دیکھن کو سکت کان لیسے سر ٹیک نین ہے

منج عشق گری آگ کا یک چنگی ہے سورج
اس آگ کے شعلہ کا دھواں سات گگن ہے

اسکے سو پرت تن ہنت میں چل سیں سوں قطبا
نج کوں سو مددگار حسین ہور حسن ہے



راز لس کا تم سنتیں کہنا ہوس
تیری بات انکار کا سننا ہوس

بے کچی کلیاں بھری باغاں منے
رس کی کلیاں باغ تج چننا ہوس

بزم نیر ادستا ہے رنگیں بہشت
یک دو باناں پیالہ سوں کہنا ہوس

کونلی ڈالی کوں لگے پھل رنگ رنگ
اس پھلاں سیتے طرہ گندنا ہوس

سب بہشتی حور اس باساں جیویں
روح کوں اس باس ہے سنگنا ہوس



سورنمن پیالہ میں، ساقی شراب پور کر | موغم دیر سالہ کون، یکدم قدح سوں دور کر
میرے خیال کھیل پر، ہنستے ہیں عاقلاں سدا | جانو نہ جانو کھیل کچ کھیل پیالے کے شور کر
باد سحر گینا کرے، ہے سو دھائے دوا دری | یکدم خبر خوشی کے لیا، مو دل و جاں سرور کر

ﷺ

آج شہ چین چلیا، شرق نگر تھے شتاب | ڈھال فلک کی اچاہ، اوتنہ عالی جناب
باندھ خنجر کرن کی، زریں فرنگ ہات لے | صبح کے وقت آٹیا، ہیک دو پیالے شراب
چڑک فلک فیل مست ہنسی سوں مکھ لال کر | گرم ہو چلنے لگیا، دن لے کتک بے حساب
ذرے ہو فراش سب، چلے شہ چین آگے | دیتے سراچے شفق، لا اسے زریں نقاب
قوس و قزح ہات لے جوڑ کے تیر استوا | مور گشتش جو کیا، نس کہ اڑانے غراب
سو ہے غلط یوں نہیں، ہے تھایوں توں سن | فتح و ظفر چند کا، جمع دیا اس جواب
شاہ ختن سن چلیا، غرب نگر تھے لے فوج | نکلے نشاں ہر رنگ، جیسے اہے مشک ناب
کش کہ چلیا ہات قوس، اس سے آسماں کی | سور انارن کوں تیں، جوڑیا ستارے شہاب
تنے ہیں دنیا اہے، صلح خدا تح منیں | ہے تمہیں نس دن کی شہ، نا لڑو تم آپنی باب
میں کیا تم دو کوں شاد، یک سرج ہو دگر کتاب | دھرتی تمہیں دو نو جاہ، دونوں کوں سرپو نواب
دل کو شرج نس کو چند، تد بھی کیا ہے دہاب | چاند کوں گنیا مجے، سور کوں کینا ذہاب

—~ ﷺ ~—

ملا احمد

معاصر سلطان محمد قلی قطب شاہ

مثنوی لیلیٰ مجنوں

جو منج بخت کوں فتح یاور ہوا
سو منج بخت کو سیوک انبر ہوا

جو شہ آپ تھے آپ منج یاد کر
منجے غم کی بندگی تھے آزاد کر

دیتے امر علی کی یہ باغ لاوں
جو پالوں اسے شہ امرت نانوں

جو میں شہ کا امر سر پر لیتا
ترت باغ لانے شتابی کیتیا

بہت یک پریشانی روزگار
اگرچہ منجے ہے ملامت سو بار

بہت یک مشغلاں مشکلیں رات دن
نہ تھی منج فرصت بھلرط ایک بن

دلے آس دھر شہ کے فرمان پہ
لگیا تن سنگاراں ہو قصہ دھر

دھریں عشق کی باس بن کے پھول
جو اس باس پر جوں بھنور جگ کوں بھول

سو کچ عشق کوں اب جگت میں جگاؤں
جو گھر گھر تے لیلیٰ و مجنوں اوچاؤں

جو لیلیٰ و مجنوں تھے بولوں پوراں
سو تازہ کروں اب انو کا لودان

جو اس بج چمن پہ تھے گزرے پون
پون باس تھے باس نے سرک بن

جو اس باغ پہ شہ کا داغ ہے
سو باغوں میں یہ باغ شہ باغ ہے

دھنی باغ کا شہ، میں باغ باں
بھنور باغ کا کیوں نہ ہوئے اسمان

جو اس باغ کا مہکار تھے جگ بھرے
سو سر مست کر قدسیاں کو دھرے

سو کچ شہ کوں یہ بن مبارک رہو
جو اس بن تھے ہر روز نوروز ہو

شہنشہ کے ارکان دولت جے کوئی
مبارک انوں پر بھی یہ باغ ہوئی

جو کوئی باغ کی باغبانی کرے
سو اس باغ تھے شادمانی کرے

دہنی باغ کا باغباں کو نواز
ہو مرحمت سوں کرے سرفراز

جو احمد کرے آس دہر بن سنگار
سو اب شہ تھے پائے ستیں سنگار

یہ نمونہ پروفیسر محمود شیرانی کے مضمون لیلے مجنوں احمد دکنی سے ماخوذ ہے جو اورنٹیل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا ہے۔

میراں حسینی

معاصر سلطان عبداللہ قطب شاہ
از تحفۃ العاشقین تصنیف ۱۰۴۵ھ

خدا نام کرتا ہوں ییں ابتدا
کہ قدرت سے اسکے ہوئے دوسرا

کروں ناز اسی قدرتِ پاک پر
شرف دی ہیہ خاک کوں سربسر

بہت مہوشاں اس نے پیدا کیا
خطاں دلپسند رنگ نے بیادیا

ہر یک صورت گل کوں دی رنگ و بو
ہر ایک کوں دی اخلاق پاکیزہ خو

کیا ایک کون لالہ کے مانند موں
لیا داغ لالا نے تب رنگ سوں



وہ ہے شاہ جن و پری کا نمام
اس کا ہے سلطان عبداللہ امام

سلیمان صفت شاہ بحر و بری
جہاں دائماً زیر انگشتری

وہ ہے شاہ شاہاں مبارک جناب
دل شرزہ ہو خوں فشاں مثل آب

وہ زیب جہاں ہے کہ جوں آفتاب
جہاں جس کے بخشش سوں ہے کامیاب



سنو اب حقیقت میری دردناک
کروں عرض میں تم سے با فرح پاک

میرا باپ تھا ایک بڑا نامدار
کہ اسباب دنیا سے تھا کامگار

بہئے تنگ میرا باپ تجھ سرا دہر
خوشی ساتھ گذری تمامی عمر

قوی تن بہت زوردار تھا اونے
نہ تھا اس کے مانند دنیا منے

بڑا اتھا وزیر یک نزدیک بادشاہ
سپہ دار دارائے تخت و کلاہ

کہ ہر روز و شب تا پگاہی نشست
یہی کام تھا اس کوں پابوس تخت

کہ تھے سات فرزند ہم اس کے تئیں
کہ سب سوں زیادہ تھا دلبند میں

کہ اس سن میں تھا ایک برادر میرا
دل و جاں بہت ناز پرور میرا

ولے بیرنوں میں تھا نیکو سیر
طبیعت فرشتہ تھا صورت بشر

اسنے بھی کیا جام اجل نوش کر
یہ دنیائے دوں کو فراموش کر

کہ سنگ قضا سات شیشے کو توڑ
چلا سٹ یہ ہستی دل عقبیٰ سوں جوڑ

تب اس درد و غم سوں قبولا سفر
وداع وطن کوں میں کیا ہر شہر

کہ گلشن میں دنیا کے گذرے عمر
نہ پل کے جوں آب جاوے گذر

کہ سلطان محمد قلی شیر دل
کہ شاہاں سے لیتا ہے شمشیر دل

کہ داد و دہش میں تھا او بے نظیر
نہیں اس کے ثانی ہوا کوئی پھیر

کہ بخشش میں سا ہے جوں سحاب کرم
کہ باماں سا سائل پہ جھنگیا درم

اسے کچھ عمارات سے لاگ تھا — سونا روپا اس کے انگو خاک تھا
ہر ایک ہفتہ میں کئی عمارات زر — توڑ ہا دی بندھا دی عمارت دگر
ہزاراں سے لاکے دگر صد ہزار — کرے خرچ ایسا ہے وہ نام دار
حکم پا کو اس شہ کا معمار ماں — بندے کاخ یک کوہ الوند نشاں
کہ دوراں عجب زور لایا وہاں — ہوئے تب وہ بیمار شاہ جہاں
نہ قوت رہا بیٹھ اٹھنے کا اس — نہ ہرگز قدم پیش رکھنے کا اس
نہ ہلنے کا قوت نہ چلنا اسے — سدا اس الم بیچ گھلنا اسے
کہا تب بلا سات فرزند کوں — کہ اب محل میں چل منجے لیکے توں
زمیں بوس کر عجز و الحاح کے ساتھ — گیا وہ لے شاہ ساتھ شہ اسکے ساتھ
دیویں حکم گر شاہ یکتا منجے — چلوں لے یہاں سوں بخارا تجھے
یہ سن ہنس کے شہ بات اس ساتھ یوں — لگا کہنے فرزند دلبند یوں
زمیں آسماں کوں ہے جبتک قرار — پھرے چرخ تا حشر لیل و نہار
ترے نول کے گلشن کو پروردگار — سحاب کرم سنوں رکھے پر بہار
کہ او محل نو جو ہویا تھا تنیار — کہ خوبی میں جوں قصر فغفور سار
بس القصہ شہ کو لیجا گھر منے — کہ کرسی زر پر بیٹھا یں کنے
کہ جب محل نو میں گیا بادشاہ — زر و مال یا ٹا قبا و کلاہ
کہ مشہور تھا وہ او پر خاص و عام — کہ مالک وہی ہے بچھانے کلام

تحفۂ الد استفتیق کا مخطوطہ ہمارے یہاں موجود ہے، اور اسی سے یہ
یہ نمونہ کلام نقل کیا گیا ہے۔

ملا قطبی

معاصر سلطان عبداللہ قطب شاہ

از تحفۃ النصائح تصنیف ۱۰۴۵ھ

باب سی و پنجم

جس وقت توں چنداں نوں	۱	دیکھے جو توں اپنی نظر
بسم اللہ سوں پڑھ تیس بار		الحمد توں ناغہ نہ کر
تاریخ پہلی کوں پڑے	۲	انا فتحنا یاد سوں
نا آئے بلا تج پاس کد		ہور پائے جنت ہر کدھر
دیکھے محرم کوں سینا (سونا)	۳	ہور دیکھ صفر میں آرسی
اول ربیع آب روان		آخر کوں بکرا پایا نظر
اول جمادی ہے روپا	۴	ہور ہے بڈھا آخر منے
مصحف رجب کوں دیکھنا		شعبان ہریا گھانس تر
رمضان کوں شمشیر دیکھ	۵	شوال نو کپڑا ہریا
ذی القعدہ کو بیٹا نھا		ذوالحجہ کو بیٹی خوب تر

باب چہل و دوم

جنت سنگیاں کا ٹھاوں ہے	۱	اس وقت تو پاوے محب
تس کے بدل کاماں کرے		ہر دیس یک یک خوب تر
ہیں بہشت کے کاماں بہت	۲	جد ہور گفت کچھ نیں اسے

اس سب منے نے کون تجے ‏ گن سات اگلے بلیس پر
ہور جو تلک جینا رہے ‏ ۳ ‏ اخلاص ہور دل بھاؤ سوں
ہور جو تلک جیتا رہے ‏ ثابت رہنا تس کے اوپر
نہاں کوں ہے پیار ‏ ۴ ‏ ہور کا فراں سو کر غزا
جوں بھید اپنا کوئی تجے ‏ بولے تو ناکھ کس اوپر
زحمت جو آوے تج اوپر ‏ ۵ ‏ کس آدمی سوں کہہ نکو
سارے تیرے دکھ درد سوں ‏ راکھے چھپا دل کے بھیتر
دل جیو کے سینہ کے بھیتر ‏ مسکیں درویشاں کو دکھ
تج سوں برائی جو کرے ‏ تس سات تو احسان کر

کتب خانہ مخطوطات مشرقیہ کے نسخے سے یہ نمونہ انتخاب ہوا ہے

غواصی

از طوطی نامہ تصنیف سنہ ۱۰۴۹ھ

شب پنجم

کتے ہیں جو یک ٹھار تھے چار یار ‏ یک اس میں بڑائی ایک اس میں سنار
یکن درزی ایکس سو زاہد گنبھیر ‏ رتھے چاروں ہیں چار فن بے نظیر
سو پر دیس جا گشت کرنے لگے ‏ جہاں دل منگے واں اتنے لگے
سو یک دن ہوا یوں جو وہ چار یار ‏ پڑے ایک جنگل میں جا ایک ٹھار
جو پھر نا سکے یا ؤ واں نزمیں تے ‏ اجڑ ہو پڑیا تھا وہ کئی برس تے

عنا دو کی دستی نہ تھی ذات واں — کہ دہشت تے ہلتا نہ تھا پات واں
ڈوبیا دن سو دیں واں اندھارا ہوا — یکایک رہیں آشکارا ہوا
نجا سک اسی ٹھار پر اور سے — سو کر فکر آپس میں اپی یوں کہے
کہ یوں ٹھار تو ہے ادک ہولناک — جو سوں گے ہمیں یاں تو ہونگے ہلاک
بھلا ویں جو نوبت سو بیٹھیں ہوشیار — لیویں بانٹ چارو بھی چارو پہار
کریں پاسبانی سو ایکس کی ایک — صبا ہووے گی تو بزاں لیویں دیک ہیچ



سو کر شرط یوں جاگنے کی بدل — اٹھا آپ سب تے بڑائی اول
نہ نیند آئی ینوں فکر کر ذات میں — لیا ر تیشہ اپن ہات میں
دکھانے بدل اپنی صنعت گری — بچے مغز کی ڈال کاٹ یک ہری
کیا راس پتلی سو اس دہانت تے — نگمر آئی تھی اور سماوات تے
اگر آذر اس وقت پر ہو دنا — تو دیکھ بت تراشی تے دل دھو دنا
رہنتا دل پو مانی کے بھی داغ ہو — بھلا جو نہ تھا اس زمانے میں اد
یکت وو بڑائی ہنرمند خاص — جو پھر اگر اپنا ہوا جیوں خلاص



اٹھا دیں سنار اس پچھے دوسری بار — لگیا دیکھنے کون جو انکھیاں لیسار
سو خوش شکل پتلی نظر تی پڑی — سنا کا ڈب ہیں نے دیں اس گھڑی
گھڑیا ہیں نازک لبنیاں عجب — سو چھوڑا اسی ڈوب سینے میں سب
چپڑیا حسن پر حسن لڑتے اسے — لیا نور گھیرا کدھر تے اسے

جو تھی خوب اول سو ہوئی خوب تر
ہوئی جا او محبوب محبوب تر



ہوا ویلا کام تے جوں سنار
اٹھیا درزی پھر کا کرن تسری بار
دکھانا گھاں جوں او صورت اونے
نہ تھی کسوت او سگوں سو ایسی منے
رنگیں کپڑے پنچے ہیں تے کاڑ کر
سو تقطیع کی تیغ سوں پھاڑ کر
کیا مستعد کسوت بے نظیر
سنوارا نزاکت سوں اس کا شریر
سو کسوت میں او نار دسنے لگی
خوش عاروس کی سار دسنے لگی



ہوا جو کنارے وہ درزی سنوارا
سو زاہد اٹھیا آپ چوتھی پھار
وضو کر کو بندگی میں او مشغول ہو
یکایک دیکھا پتلی مقبول او
سو ریجہ اس او پر دیں دعا جو کیا
وہیں جیو پروردگار اس دیا
سو سوں آدمی کی تمن کھول کر
اٹھی چلبلا نا گہاں بول کر



صبا ہوئی سو چاروں ملے ایک ٹھار
ہوئے عاشق اس روپ کے ہر چہار
لگیا اُٹکے چاروں کو داوا کبل
سو ایسی منے وہ بڑائی اول
کہیا اے عزیزان خوش روزگار
اگر دیکھتے ہیں تمھیں حق بچار
تو یو صورت اول نہ اتنا سو دیں
یو میری ہے دیسوں نہیں کسکے تئیں
سن اے بات سنار سوں کر کے لال
کہیا یوں کہ اول یو صورت تھی کہاں
زر بنا پنچا اس دیا روپ میں
دیکھا دیا سو کر اس کوں اپر روپ میں

چڑھی جو میری بست اول اسکے تن
یو میری ہے دیکھو نہ کو اس کدہن

سن یہ بات درزی اٹھا کود کر
لگیا بولنے یوں غصہ سوں اگر

کہ بنیا دییں ہتی اول یو ننگی
شرم ڈھانپ کر ہیں کیا اس چنگی

یو عاروس میری ہے چھینے اسے
اندا ندا نہیں منجہ بغیر از کسے

تعجب میں ہو زاہد اس بات پر
اٹھیا بول تندی سوں اس دہات کر

اگر جیو تن میں نہ آتا اسے
نہ آز کے کوں ناکام آتی کسے

یوں میری ہے یاراں تمہاری نہیں
چلو جاویں مل منصفی کوں کہیں

کہیں جس وضا مل بیگانے چار
چلیں اس وضا زیا ستی دم نمار

ہو اس دہات راضی سنگات اسکوں لے
نکل اس جنگل میں تے لڑتے چلے



سو ناگاہ یک شاہ بادگ منے
ہوا جان یک لشکری سامنے

سو چاروں نے رکھ سک خیال آپنا
گئے بھول اس وہیر حال آپنا

جو خاطر منے خوب لایا تمام
وہ عیار رایا سو پایا تمام

دیکھا تل اوپر خوب اس نار کوں
دلوا منا ہو گھیر یادیں اس چار کوں

کہیا یو سہیلی تو میری دسے
لے کر آئے ہیں تم دغا سے اسے

تمہاری ہوں میں اختیاری یو گم
عجب کوئی اوباش ہیں آج تم

بیری دے کو عورت سلامت ہو جاؤ
اگر نہیں تو کتوال کن جائیں آؤ

ہو در ہم اپس میں اہیں پانچو تن
بدل نیاوکی اے کتوال کن



وہ کتوال اول تے تھا عشق باز
دیکھ اس نار کا روپ ہور چھند و ناز

منڈا اسا پچھرایا پانچوں پر باند دین
سولی پر مرے گا اٹھا سا ندیں

کہ ہے بھائی میرے کی عورت یو نار
سو چور آشنا شب اسے جی سے مار

گئے لے اسے لبست ہو بھاؤ سوں
بڑا فکر تھا آج لگ منج کو یوں

وہ چوراں سو تم ہیں خدا ناگہاں
لے کر آ گیا کھینچ تمنا یہاں

ڈر اس وضا خوب پانچوں کے تئیں
جو قاضی کن آیا ہے دنبال ویں

دغا باز سب تے وہ قاضی اتھا
سدا ایسے کاماں سوں راضی اتھا

سو دیکھ اس پری رخ کو ہو اٹھ کھڑا
ہوا داد بیداد آپ سب تے بڑا

کہا یو تو باندی ہے جیوتی میری
دغا دار گھر کی سلونی میری

لے ٹلی کئی برس تے گمی تھی نہاس
پھر آپی ہو آئی ہے گھر کی آس

لی میری باندی تو ہر حال منج
دلے کاں ہے لا دیو دو مال منج



جو اس دہات کا شور او چائے تمام
ملے اس تماشے کو سب خاص و عام

سو ایسے ہیں کوئی شخص عارف نول
کہا یو خصومت تو ہے بے بدل

کہ ہر کوئی جھگڑے تو عالم منے
ہنر ناں کر جاتے ہیں قاضی کنے

آپی مدعی جان تے قاضی ہووے
کہو کیوں نہ انصاف ناضی ہووے

کہ سانوں جنے ہیں غرضمند یو
کہ دھرتے ہیں ایکس سوں ایک ڈھنڈ یو

سکت کاں ہے کس آدمی ناد کوں
جو انڑے الوں کی تہمت داد کوں

فلانے جو صحرا میں ہے ایک جھاڑ
جو عالم کے جھاڑاں سبیں کا ڑ

عجب کچ کرامت ہے آج اس منے
ہے الحق دلی کا راج اس منے

جو کوئی جس نیت سوں نزدیک اسکے جائے — تو ویسا ہچ آواز اس دک تے آئے

اگر ہل کے ساتوں وہاں جائیں گے — تو فارغ ہوا اس ٹھنچ تے آویں گے

سنے جوں دو اس جھاڑ کے ناوں کوں — چلے اس سگی کو لے اس ٹھاوں کوں

کھڑا کرا سے جھاڑ کے پیڑ کن — کہے حال جوں ہوں کہ اسکے کدہن

سو قدرت تے یک بارگی جھاڑ او — لیا کھینچ اس دہن کو دو پچھاڑ ہو

برابر ہوا دیں پھر اول کے سار — ہوا حق جو ہچ تھا سو واں آشکار

دولت

از داستان بہرام و حسن بانو تصنیف ۱۰۵۰ھ

سنا قلزات ایسا وہاں — کہ آتا شاہ پریاں ہے لڑنے یہاں

خبر سن ہنسا گرڑا کر پلید — کیا تب انے یک فکر ہے شدید

وہ جلدی سے بولا ہے لشکر کوں یوں — شہر سبز ویران کرو پل میں توں

یہ کہہ کر کیا کوچ جلدی سنگات — کہا شہ پری کو کوئی آ کے بات

کہ قلزات آتا ہے تیرے اوپر — وہ لاتا ہے لشکر بڑا تجھ اوپر

خبردار ہو تم خبردار ہو — لڑائی کے ساماں سے تیار ہو

سنی بات بہرام نے بھی سمجھی — خبر دیو سردار نے یہ بھی

کہ آتا ہے بدبخت مرتد یہاں — کرو فکر تم بھی اٹھو اس زماں

ہنسا دیو رو یاں سن کر یہ بات — کہا کچھ فکر کر نہ تو نیک ذات

کئے مورچے بند ہر ٹھار ٹھار — سرانجام جنگ کا دے کر تیار

فتح کا دمہ اٹھا ٹھوک کر — وہ سب فوج لیکر پڑا اس اوپر

لگی جنگ واں پر بہے شدت بشرگاشت — نہ پائی کسی نے فراری کی بات

چھوٹے توپ خانے بہت بیشمار — اٹھا غل جدھر کا ادھر مار مار

خبر جا کیا شاہ بہرام گور — کیا تب گنداول کے لشکر نے زور

دو ... جو بہرام کے ہیں چھوٹے — فرنگ کیں جو تلوار لیکر ٹوٹے

کیا ملک زلزال کا پائمال — کیا یکم اس کو ہے قیدی بحال

جو شیراں ہیں بہرام کے شیر دل — وہ زلزال کو ہے کیا مضمحل

فتح آسمانی ہے حق نے دیا — وہی شہ کو نصرت ہے غیبی کیا

بجے شادیانے خوشی کے تمام — خوشیوں کے نقارے گرجے دھوم دھام

فتح کر کے بیٹھا وہ بہرام شاہ — بادشاہ پریاں کو دکھ دا ہیں چاہ

نصرتی

از گلشن عشق تصنیف سنہ ۱۰۶۸ھ

ازل تے جو بج عشق کی سوز ہے — ابد لگ اوک شعلہ نہ سوز ہے

ہوا ہے میرے طبع کا سب چمن — بہت کی کلاں داغ کر کھوبن

اگو جل بھری بج نین ہے بدل — میرا ابر انجھو ہے سو رج تے بخل

دکھا دیں جو بج آہ اس بھید کوں — معمہ کرے جام خورشید کوں

جو ہر بات کا بج بلند اوج ہے — وہ سب عشق کے بحر کا موج ہے

دلیوتیا ہر ورق کا مجھے خط سواد — سو جلتے عشق کا دھواں کر یاد

دیکھتے خوبی عشق ہیں صافی — سو کرتا ہوں ہیں عشق پو عاشقی

نہ ہشیار ہوویں کہ ہیں مست عشق   جنم مست ہو کل بھریں مست عشق

مے صاف کا عشق ساقی ہے یاد   سٹنہار دھو دل تے غم کا غبار

اچھے عشق خلقت کی جگ کا سبب   اچھے عشق گنجینۂ راز رب

لقا کیا جسے جگ میں شاہی اچھے   اجل جیسکے گھر کا سپاہی اچھے

بلند تر ہے افلاک تے جس نشاں   زمیں کالے تس چتر ہے سایہ بان

نظر پھر کی لیائے جب زنگ میں   کریں لال ہے سینہ آسنگ میں

دلاں کا ہے اے عشق تو بادشاہ   جہاں ڈر سو ہا بج تجہ تخت گاہ

دیوا داہ کا تجہ سو کالا دسے   اندھارا اج تیرا اجالا دسے

گیا سو خوشی جگ میں مشہور تو تج   خرابات عالم کیا پور نو تج

تیرا خار بہتر ہے گلزار تھے   تیرا درد ہے دلوانہ ہشیار تھے

تو دانا ہے کیس نا سمج باولا   چلے کس نظر جہاں تیرا باولا

سنگاتی دو جگ میں اچھنا تو تج   جنم جگ کا یار و فادار تو تج

تیرے ہات سوں خاک ہوتی ہے در   پرس توں ہے اکسیر اعظم تھے در

جو کوئی شمع کا تجہ چو پروانہ ہوئے   اسے سان دوزخ میں پروانہ ہوئے

تیرے سحر کا چھنڈ ہے زیو بند   دھرے بند رستم پو تیرا کمند

ریا کا نہ آوے دتی کن تجے   برابر دسے دوست دشمن تجے

نہ کام آئے تج صف منے دوڑیا   برابر ہے زد لبت ہور بوریا

تیرے بحر میں عقل کوں انت نین   تیرے بہ او پہ لاج کو بنت نین

کدھے تو تج بت خانہ دل کے بنین   بناتا ہے عابد کوں توں برہمن

دھرے یک نظر میں تو لاکھواں فریب   کرشمے سو توڑیں کروڑاں شکیب

نہ کھیں ہار تج ناؤں سادہ اہوا ہیں   سراسر تیرا مجلس آرا ہوں ہیں

کمر دل نیرا چھا جو ٹک یک رتی
توں کہہ پیار سوں آفریں نصرتی

جوانی سوں تھی دھوپ بھر رت میں
سرج تھا نگر آخری حوت میں

نہ کہہ سو ربل اگن کا بادل اُتھا
نہ او دھوپ یک آتشیں جل اُتھا

کرن ہیں سو ادجل کیہاں دھاراں منے
ہر یک ذرہ قطرات باراں دسے

لگی ماہ نے جب سراباں کی موج
چلیں جو کہ ہن تپ حرارت کی فوج

بھری یوں حرارت ہر یک تن منجار
نہ ست ہے سما سک اپل آئے بہار

پڑی تھی کہیں چھاوں ہر تن تے ڈھل
او چلے سو ست لے بہنی تھے اگل

نہ تھیں پر تپش دن کوں دائم اتھی
قیامت فلک پر بھی قائم اتھی

برستی تھی یوں دھوپ جگ پر کڑک
سو کوہ سپھر نہیں رہے تھے جھاتی

نکل تس تے جا سب ہریالی کے بال
اتھی بھوئیں کے سرجائیں چانیں کی کھال

پڑیا تھا نہ دریا میں موجاں سوں شور
تھا نیر ابلتا ہو بھوتیں گرم زور

کری جگ میں گرمی نے یوں سرکشی
او گی کو نگی رکھ کے ہوا آتشی

دیکھت کوہ ہوئی نرالی ہوئی
زمیں دیکھ حیراں دیوانی ہوئی

بھرے لال گھوڑے دس آتے تھے بول
چولیاں میں اگن دیکھ ہکانی بے چیولیاں

دکھا دھوپ او ک جگ پہ گرمی سوں تاب
لجاتی اتھی بھوئیں کے سب کچھ تھے آب

یقیں آفتاب آفت اب تھا
تو ہر جاہ پر آتش تاب تھا

رہیا کہیں نہیں روئے گیتی پو آب
گمر تھی ندیاں سے ہوا پر سراب

چرندے ادک پیاس تے تس پونٹ
چھوٹیں دوڑ مرنے اتھے سیج چھیٹ

عجب تیز گرمی جلا سنگ و خاک
کرے سنگ کا چونا و ماٹی کو راک

لتھے گرم کنکرے انگاریاں تے تیز
دے لغت پانوتے چینگیاں کی ریز

پتنگے جیسا ہرے رکھ پہ یو آب تاب
چلیں پات ڈالیاں تے جھک تے بہار

جیسے انے لگتی تھی جھالاں کی آنچ
اتھا سخت جانا او نے جیو نے پانچ

نہ سکتے تھے ہرگز پرندے پھٹک
چرندے بھی تس دھک سوں اہے تھے دنگ

پنکھیاں کے تو بیچے نکیے جوش سوں
پریں جل کے پڑ گر اوڑیں ہوش سوں

چرندے بھی صحرا میں کرنے کدن
سو یک گوشت ہوتے تھے یخنی نمن



نظارے میں ہر یک نظر باز کوں
دسے ہے ہر طرف تیری قدرت کا موں

سبوں کا سمجھ تھک رہا ہے یہاں
کہ یک سر بسر ہے ہیں بسایا جہاں



نہ گلزار سوں او دسے دلفریب
کہ پکڑتا ہے سنگ دل اس سوں زیب

چنبیلی کل تھے چنار کی چھاتی پو داغ
گل سو دتھے سور کا زرد باغ

تپے نفس سوں حق کے اکرام تھا
کہ میوواں سوں بن سفرہ عام تھا



نین بان لگی ہے کاری منجے
لگے چٹ پٹی رات ساری منجے

تیرے لب بغیر از جو جا لکھوں شکر
لگے جیو تلک کرد کاری منجے

کھو لیا ہوں جو میں کفر اسلام کوں
یہی بس جو لاگی ہے باری منجے

تیرا فضل ہوئے گا گرا سے سکی
توی ہے سو امید واری منجے

پیاری او کی بیاد ہور لطف سوں
آہ نصرتی کو پکاری منجے



ابن نشاطی

از مثنوی پھول بن تصنیف ١٠٦٦ھ

کروں تعریف میں اس تاجور کا — سمجھتا ہے جنے قیمت ہنر کا
شہاں کا شاہ عبداللہ غازی — خدا تے ہے تیرے جم پیش بازی
سعادت کے نین کا نور ہے توں — شجاعت کے لگن کا سور ہے توں
آہے جمشید کا سب داب تج میں — سکندر کا آہے آداب تج میں
عدالت آج تیرا اے سہانی — کیا ہے ہمناں کے لہو پانی
دیکھے تو پھول ہور کانٹا ہے یک ٹھار — دلے گسنتے نہ کوئی پایا ہے آزار
دیکھن تجہ شیر کی نوشیروانی — کریں بکریاں کنے نیں گرگاں شبانی
عدالت کی تیرے دیکھ آج ہستی — چھپی خوباں کے نیناں میں مستی
کیا یوں رہزناں سوں پاک دکھن — انہیلے ہے آج مطرب بانج رہزن
کیا توں عدل ایسا آج جگ پر — پتھر کے سنگ سوں شیشے کوں نیں ڈر
شجاعت کا دیکھت تج مکہ پو پانی — سٹنے سب پہلواناں پہلوانی
سہانی ہے تجے مسند نشینی — فلاطوں کی ہے تجہ میں دوربینی
مسلسل وصف کے تج سلسلے کوں — ہلاتے نیں سکت مج حوصلے کوں
اگر کاغذ گگن کا ہوئے دھورا — صفت تیری نہو سے تو بھی پورا



مجھے یک دن دیا یوں ہاتف آواز — پرت کے داستاں کی اے سخن ساز

سخن کا آج توں ہو کر کھن سنج ‏ ‏ بچن کا کھولتا نین کیا سبب گنج

تیری گفتار سوں عالم مٹھا کر ‏ ‏ دے تیرے شعر کا سب کس کوں شکر

خوشی سوں آ خوشی کی بان پر آج ‏ ‏ نوکا ناں کوں جگت کے عید کر آج

سخن کا طرز تج آتا ہے تازہ ‏ ‏ سخن کا سٹ توں عالم میں آوازہ

سخن کوں توں سنگارن جانتا ہے ‏ ‏ سخن کوں تیرے ہر کوئی مانتا ہے

خدا تجکوں دیا ہے گیان عالی ‏ ‏ سخن کی تج کوں بخشیا لاابالی

تجے معلوم ہے سارے صنائع ‏ ‏ نکو اوقات اپنا کر تو ضائع

او چا اب خوب یک تازہ حکایت ‏ ‏ اچھیں گے عشق کی جیس ہیں روایت

بساتین جو حکایت فارسی ہے ‏ ‏ محبت دیکھنے کی آرسی ہے

تجے ہے فارسی میں دسترس آج ‏ ‏ نکر سے ترجمہ بھی کوئی تج باج

اسے ہر کس کے تئیں سمجھا کہ توں بول ‏ ‏ دکھن کی بات سوں سارا بیان کھول

سراسر شیوکو یہ باتاں کیا گوش ‏ ‏ سو مار یا شوق کا دریا دیں جوش

لگا کر طبع کی موتیاں سوں ڈوڑا ‏ ‏ بچن کا جگ منے مار یا ڈھنڈورا

طبیعت میں الیس کی دیکھ صافی ‏ ‏ کیا ہر بیت میں میں موشگافی

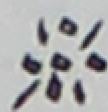
ہرت کے باغ کی لی باغبانی ‏ ‏ بساتین کی کیا میں ترجمانی

صفا اور اس کے دیکھ ہر یک چمن میں ‏ ‏ رکھیا ہوں ناؤں اس کا پھولبن میں

اٹھا تاریخ لایا توں بو گلزار ‏ ‏ اگیارہ سو کوں کم تھے ہیں برچار

خدا کے پاس منگ ہمت بلندی ‏ ‏ نزاکت سوں کیا ہیں نقش بندی

سمجھ ہر کس کوں میرا طبع ہونا | لگر ہیں یک دکھایا ہوں نمونا
نہیں وہ کیا کروں فیروز استاد | کہ دیتا شاعری کا مجھ ہیے داد
رہے صد حیف جو نیں سید محمود | کئے پانی کوں پانی دود کوں دود
نہیں اس وقت پردہ شیخ احمد | سخن کا دیکھتے باندیا سویں سد
حسن شوقی اگر ہوتا جو فی الحال | ہزاراں بھیجتا رحمت منج اپر ال



آہے تازہ چمن پیوستہ میرا | شگفتہ ہے سدا گلدستہ میرا
دیا ہے جگ کوں رونق اک طرف سے | ہے یو بازار جو دو رستہ میرا
بہت خون جگر دھا کر دھلیا گگ | کلی ملنے جو تھا فن بستہ میرا
کرم سوں حق کے پایا آج راحت | فلک سوں تھا جو خاطر خستہ میرا

شیخ امین الدین اعلیٰ

از رسالہ قربیہ

اللہ بن نیں دوجا کوئی | اللہ سوں دیک سب کچھ ہوئی
سب سوں بن، سب ہے دیک پاس | مطلق بینا شاہد خاص
شاہد ہے دیک مطلق پر | مطلق منزہ بالا تر
مطلق منزہ محیط ہیو | سب کا جاری جس تھیں جیو
جیو جو الا سب کا جان | سب سوں بن سب عین عیان
عین ارادہ جس کے ہات | جیو جو الا سب سنگات

جلال جمال دو اس کے بھی — مطلق منزہ بے مثل
مطلق سب پر شاہد ہے — سب سوں مل دیگ واحد ہے
پڑکو ہارا مشکل بات — بن کر ایک نہ آئے ہات
ٹھاؤں نہیں جس لامکاں — سمجھے نا یوں اس کوں ٹھان
عین خلاصہ عیاں تمام — عیاں بیاں سوں ہوتا قام
مطلق منزہ ٹھائیوں آڈ — سمجھا پوری بو بنیاد
احد تجہ میں کیوں آیا — بو جیا پوری یو مایا
احد جب او مطلق تھا — بن اس مطلق کچھ نا تھا
عشق کا دیگ کیوں آیا پور — ہلیا ذات بن کیوں تھیوں نور
ہلن میں ہے بوج پیہ کار — جھولے یک لک چوبیس ہزار
قدرت اپنی اپنے بل — شریک نہ ہوئی کوئی مثل
گنج مخفی پیو کا ٹھار — دل میں پیو کا دیک دیدار
جیو میں پیو کا دیک ٹھاؤں — دونوں کا ہے ایچ ناؤں



دیکھ تیرے نین میں تپلی کوں — عالماں میں پڑی ہے جنگ و جدل
ٹیک گنتے ہیں سکھ یو کعبہ ہے — اس میں تپلی کا کیوں کیا ہے محل
اور ہیں اس اوپر کی مسجد میں — کتنے ڈالیا ہے طرح رنگ ادبول
آخرش اتفاق سوں بولے — یو ہے صانع خدائے عزوجل



فائز

از قصہ رضواں شاہ تصنیف ۱۰۹۴ھ

جتے ہیں حکایات کے راویاں — یو قصہ انو یوں کئے ہیں بیاں

کہ تھا چین میں یک بڑا بادشاہ — دورائی پھری اس کی ایک سال راہ

اس اطراف میں تھا جسے تخت و تاج — اطاعت کریں ملک دیویں خراج

ولایت و ملک کچ نہ تھا اس کوں کم — کسی کے طرف تے نہ تھا اسکوں غم

و لے یوں کہے مج کوں آنند نیں — کہ منج نسل میں ایک فرزند نیں

میرا تخت اس سوں کہ پاوے نظام — کرے مج کوں عالم منے نیک نام

جو منج اچھے وارث تخت او — جہاں میں نکلے بڑے بخت او

اسے سلطنت تاج داری اچھے — دنیا میں میری یادگاری اچھے

خدا پاس دن رات مانگے نسل — کرے خیر خیرات اس کے بدل

عبادت اطاعت کرے بے قیاس — کہے یوں کہ یا رب نکر توں ہراس

عطا کر مجھے ایک فرزند توں — بخت ور قابل خرد مند توں

کہ منج نین کو نور اچھے اس کو دیک — بدی اس سوں چوندیر میرا نام نیک

یہی آرزو دل میں دھرتا اچھے — خدا سوں مناجات کرتا اچھے

کیا عاجزی جب او حد تے زیاد — کیا حق نے دن کو اس بامراد

بہوت شکر کرے کندوری کیا — اوک مال او عاجزاں کوں دیا

وزیراں کو تشریف دیکر خوش حال — دے انعام لشکر کوں کیتا نہال

او خوشنود اپنا ہے کر جاں شاہ — رکھیا اس کرانا نوں رضوان شاہ

ہاشمی

معاصر سلطان علی عادل شاہ ثانی

از یوسف زلیخا تصنیف ۱۰۹۹ھ

بچھڑ کا ند کی اور ہے جس کا یار — اچھے کیوں نہ وہ غم زدہ خوار و زار

رہے یک نگر میں جو معشوق پھانک — وطن پر اچھے اس کے عاشق کی آنک

زلیخا ہر یک دن بندی خانہ جائے — نظر بھر کر یوسف کے تیں دیک آئے

دیکھو کیا فلک ہے ادیکیا کبل — بچاری کے جانے کون کیتا خلل

یہی غلغلہ ہو رہیا ٹھا دھار — زلیخا ہر ایک رات جاتی ہے بہار

نویں نین ، قدیم عورتاں کی ہے چال — پھریں کوئی راتاں کو بولیں چھنال

چھپاتیاں انہیں، عیب سب کھولتیاں — یکس کی انگی لیک یوں بولتیاں

تماشے کی عاشق جنم ہے وہ نار — اوڑی سر یو چادر چلی گھر کے بھار

پڑی ایسی دی ہے چنچل ہور چھنور — نے ڈر ہے وہ عورت جنم کی ڈھنڈور

ایسے کیں کے ہر کوئی نہ ہے نوجواں — بڑی ہو کو ان کھوئی کی اپنا مال

جیویں مارواڑی کوں سٹنا اول — بزاں سٹنا بیٹک کے نزد کی چنگل

مرد ایسی بیٹی شرم جہاں کے جائے — جیتیاں ایساں کیا لاج جو کل کوں آئے

نی ڈر لاج سڈی کھڑی سر کوں کھول — قبیلے کوں سب اپنے لاتی ہے بول

چلن نہ تو اس کے سمج نیں کسے — ادل دیویں صحنک بی بی کی اسے

تنجل ایسی ہے کرکوں کیا جانیتاں — بی بیاں میں بی بی کر کو سب مانیتاں
بی بی بن کا دیکھے تو ہے موں پو آب — دلے جالی جلتی اجر کی خراب
برے کام کا کرنا کیا کر کمائی — ولے بھرنے کانیں نے بی بیاں کا شنار
مولی بے خبر کیا ہے سب پردہ دار — خبر نیں بی بی جا کو آتے سو بھار
بری ہے بلا یو نہیں کچ نہنی — جہاں سب بنیا ہور اس کا دہنی
بھانے کی عورت جو رناں کو جائے — موامرد دانتاں تلے جب نہ لیانے
ہو لے ہے یو کیسا زمانے کوں پھیر — دیکھو مرد عورت کے آنگو ہے زیر
قبیلی آنے سٹنا جیو مار کے — ہوئی بات یوں موں میں ہر نار کے
بندی خانے کوں روز جاتی لگر — زلیخا کی انپڑی عزیز کوں خبر
کیا بنک کوں تاکید یوں بے شمار — نہ ہرگز نکلنے کوں دیو کس کو بھار
زلیخا سنی جب یو تاکید ہوئی — لیتی مار سینے میں کی یونک دی
سہیلیاں کوں کی ماں کی کیا بد کروں — مری ہاتھ مرنا نہیں جو مروں
مرے دل میں تھا یو کچ کیا میں چھاؤں — ٹلے دیس کوں رات موئے جو جاؤں
اگر اتنا پانی نہ ادہار ہیں — اس ہنسنی سوں لیتی ابیں مار نیں
لمے دیکھنے میں پڑی میچ کوں کلی — نجانوں کیا کیا گنے بو خبر
جیوں مار سٹتے تو خون کرتی معاف — نہ کرنا تھا جانے کا لیکن خلاف
خلل کرنے ہاریاں کا ہو گھر خراب — جو منج بے گنہ کوں دے یوں عذاب
اگر مرد کوئی بچھڑا یو بھائی — نو اوڈڑا اتنا کڑڑا تا مادہ مر کو جائے
اگر کوئی عورت دی ہے یو دکھ — نہ دیکھے دہنی موئی وہ بختوں کا سکھ
بیٹھو راند کی پتھری ہو کر وہ خوار — فضیحتی جنے یوں کیا ٹھار ٹھار

میرا غم یو کیوں جائے اس کے باج   رہیا جانا میرا کروں کیا علاج

ہر یک رات یوں بول کمہ چیڑ پھیری   صبح ہوئی تو جاکر بھیجے پر چیڑی

بندی خانہ یوسف کوں ڈالے تھے جاں   دیدی اپنی جو تو لگائی تھی واں

ہوئی رات تو واں دیو ایک جلائی   او جبلا وہی دیکھ کر جیو بھلائی

دکھی لاکھ تو نا دِسے دل کا یار   دے اس کے رہنے کا دستا فقط اندھار

منت کرکے پڑتی ہوں میں تیرے پاؤں   پھر حال یوسف کے تئیں دیکھ آؤں

کسی شے سوں یوسف کوں تنگی میں نتھا کام   خدا سوں پکڑ ان کا تھا صبح و شام

بندی خانہ سوں دائی جو پھر یو آئی   زلیخا انگے ہوا سے جا کو لیائی

بلایا لیو میں ہور پڑی اس کے پاؤں   لگی پانوں یو گئے تھے یوسف کے ٹھانوں

بلا اس کے ہاتاں کی لیوے تمام   کہتے ہیں وہ یوسف کوں جاکر سلام

بلا اس کے موں کی وہ لیوے سندر   جو یوسف سوں باتاں کئے تھے لگکر

بلا اس کے انکھیاں کی لے بے حساب   جو یوسف کوں دیکھیا لگکر بے حجاب

نپٹ اس کوں بی بی اپی ہو کر اداس   ادب سوں یو بھی بیٹھ کر اس کے پاس

منجے بول یوسف کا کیا حال ہے   اپنا نی روش ہور چال ہے

کہ یا غم میں ہے یا کہ آرام میں   کہو کھول کر ہے وہ کس کام میں

منجے کچ بھی بولو لگکر پیچ کیا   کیا بات تیری سوں یا چپ رہا

اکٹھی بول کر وہ جو یوسف کا دل   اید صبر نہیں خدا سوں لگیا اپنے مل

زلیخا سنی سو رہی ہو اداس   چھجے پہ چیڑھی جا نپٹ ہوئی اداس

دو کھوں سوں سٹی پھاڑ سب تن کے چیر   بھری لوں اپنے کلیجے کوں چیر

بچھڑیک نگہ میں رہی من ہرن | رنجیدہ تو ہوئے کیوں نہ عاشق کا من
جسے عشق کے دل کا انگنا ہوا | ارسطو کی اس پر چلے کیا دوا
اپنا ہاشمی سخن کے دفتر کوں بچار | ہندی خانے نے یعنی یوسف کوں کاڑ
زلیخا کا گھر کے رہیا ہے پکڑ | چھوڑا نے ہیں یوسف کے تنوں اگے پر
کمر بند نوں یوسف کے خدمت میں اب | رہیگا تو خشنود ہو تج پورب

یوسف زلیخا کا مخطوطہ ۱۵۔ ربیع الاول ۱۱۷۱ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں موجود ہے اس سے نمونہ کلام اخذ کیا گیا ہے۔

مقیمی

از قصہ ماہ پارو چندر بدن تصنیف ۱۰۹۸ھ

دیوانے کو جب دبیر آیا نظر | خوشی پر خوشی ہوئی کھلا دل اندر
ہوا وقت پوجا اسی دیر کا | اٹھا غلغلہ اس پری سیر کا
دیوانہ وہاں پر لگا ناچنے | اسے دیکھ حیراں ہوئے سب جنے
کہ جب ناز پروردہ نازک بدن | پوجا کو وہ آئی ہے چندر بدن
اسے دیکھ وہ مست رونے لگا | وہ آنسو کے گوہر پرونے لگا
پری دیکھ اس کو ہے ایسا کہی | کہ عاشق سچا ہے تو میرا صحی
اسے ہے وہ بولی وفادار تو | میرا یار عاشق ہے دلدار تو
میرا عشق تو نے لیا سر اوپر | دلے عشق تیرا میرے دل بھیتر
تیرے عشق دل کو کیا دنگ ہے | دلے آڑ پھرنا تجھے ننگ ہے

دلاسے دے اسکو ملوں گی تجھے
جدا تم نہ جانو اپس سے مجھے

تسلی کی خاطر دیوانے کی یار
تو وہ دل میں خوش حال اور برقرار

برہ کا وہ آتش سلگنے لگی
بلا ہو کے وعدہ بلکنے لگی

کہی ہے کہ اے میرے من کے موہن
لگی دل کو میرے برہ کی اگن

تیرے عشق مجکوں دیوانی کیا
عقل ہوش سب ڈھول دہانی کیا

یہ نمونہ ۱۲۹۰ھ کے مطبوعہ نسخہ سے نقل کیا گیا ہے

عاجز

از قصہ لکہ مصر تصنیف ۱۱۰۰ھ

کہوں میں ثنا صفت اول حق
بنایا ہے یو سب جگ بے بدل

رکھا ہے جن معلق یو ہفت آسماں
چلاتا ہے نوبت زمیں ہور زماں

ڈباتا ہے اوپیں سب نور سوں
کریں دین جو روشن چندر سور سوں

بنایا ہے آدم کوں پانی ستے
اسی دھات پیدا یو خلقت جتے

دیا سب کو نادر جو تھیاں نعمتاں
فہم عقل و دل جیو ہور یو زباں

سمجھتا ہے یک دل میں کئی راز کوں
او دانا اچھے جیو آوانہ کوں

دنیا بیچ او مہرباں کردگار
دھرے دوست دشمن کوں ایک ٹھار

نہ کر فعل خاطر توں ان کا مدام
دیا رزق ہور نیک کر تو تمام

کرے پرورش اس وضا تھیں گنبھیر
جگت کوں ہے آدھار او دستگیر

نہ جوڑا اسے کوئی اہے احد
نہ چہتا اسے فوج و لشکر مدد

نہ حاجت اسے تخت ہور تاج کا — نہ شاہی کا سامان ہور ساج کا
کہے کن تو سب اس تھیں موجود ہو — ہے موجود یک پل میں نابود ہو
بشر صفت اس کی کیتی کر دکھائے — کہ دریا کوں مٹکے میں کیونکر سمائے
ہوئے کیوں سب اس دھات یو حمد پور — کہاں پایا جاوے گا خورشید نور



سنو اب یو قصہ سب اظہار کر — کہنے یک شہنشاہ اتھا بخت ور
دھرے نام فیروز سلطان شاہ — اتھا مصر کے تخت کا بادشاہ
تھی بیٹی نہیں اس کوں فرزند سو — اچھے شاہ اسے سات دلبند سو
اسے ایک دختر سو اچپل اتھی — چندر سوں بہوت خوب نرمل اتھی
ملکہ اچھے نام اس نار کا — اتھا سو رجگ بیچ اس نار کا
دیسے نار کا مکھ اور خورشید نور — تھی اچپل نزاکت لطافت میں پور
کہنے دیس بعد از بحکم قضا — بقا کوں چلیا شاہ بے سب رضا
بڑاں جو وزیراں اتھے خاص و عام — گئے شاہ کوں دفن خوش یک مقام
سبھی مل وزیراں اپس کر بچار — ملیکہ کے سر پادشاہی قرار
بٹھا تخت اوپر پری کوں تجمل — سلاماں کئے ایک دھر تھیں سگل
ڈھنڈورا پھرائے شہر میں تمام — ہو خوش راج کرتی تھی اونیک نام

ماخوذ از قصہ ملکہ مصر مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۷ھ



غواصی

از مثنوی دیپک پتنگ تصنیف ۱۱۰۷ھ

غواصی اگر دیکھتا آج کوں
موتی کی منن جل میں دبلا ج ہوں

ہر یک شعر ہر کسے نام نیں
سو دکنی کتا کچ میرا کام نہیں

اگر فارسی ہو تو امرت پلاؤں
سحر کر کو کوزے میں سمندر کوں بھاؤں

ہندی جوہراں کا ہے دل آرسی
دکھن میں دھکا دوں اگون فارسی

کروں سازیوں عاشقاں کا فراق
اچھے راگ دکنی ہور نغمہ عراق

یو تحفہ حسن عشق کا ماں سوں
سو بھیجوں دکن سے خراساں کوں

کہانی کے پردے ستے سب منجھار
دیپک ہور پتنگ کا کروں سو نہار

نہ سٹے عشرتی حرف کوں ڈھول میں
اپی تس کی گی ہے باس اگر پھول میں

بچن پانچ رکھ لیکو جیوں داستاں
شروع کرو لگے عشق کی داستاں

صبحدم چلی باد کر نو بہار
کھلے پھول بن ہور ہوئے لالہ زار

چلیا صید نگر سیر کرتا دراج
ہوا دیں کہ یک ہنت بیاتی دو کاج

سو دہن گھر تے کو سیورن سنگار
شگفتہ ہو بیٹھے چمن بن کے سار

کہ تھی لکھ ادپہ جلوہ گر آرسی
دیکھی عکس زریں بت پارسی

بحری

معاصر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر

از مثنوی من لگن تصنیف ۱۱۱۲ھ

اے روپ تہ ارتی رتی ہے
ہر بت پر بت پتی پتی ہے

ہر بت میں اوک نہ کم تتی ہیں
یکسار ہے راس ہور رتی ہیں

ساگر تو نہ سرمہ دان میں ماگا
صندوق میں سور کیوں سماگا

طوفان تنک نمن کی بو میں
ہیں دور یک آنکھ کے انجو میں

دریا میں صدف ہے لاکھ بھریا
پن کیوں بھرے بیچ صدف کے دریا

یک پال میں نو فلک ہے کیوں
یک گھر منے دو جہاں دسے کیوں

جز کل میں چھپیا نہ عکس اسکا
یو بول نہ صاف ہر بل گھنس کا

سب تج میں اگر کہے تو سچ ہے
جوں جل کے تجا نک ہے سچ ہے

❊

ہر بول میں معرفت کی بانی
سن سیتا کی نہ رام کی کہانی

تھا پوچھ یک بڑا اپٹارا
سو بھاگ نگر میں کھوئے سارا

جھندر کیا اتھا سکندر
جن چرخ کوں اس دکن کے چیندر

کبیر ہے بھی کیتک جو جوڑ میں جس
تہ وا دیری پاتال کی بس

تھے اور بھی یادگار چیزاں
تس پردہ چیر اے بے تمیزاں

ورنیں تو یو شعر نا لے جاتے
نا پچھاڑ تلاؤ کون دکھاتے

اس کھوئے پر آکے کیتک یار | جی تھا پھر آپ نے تھار
اس پنڈ کوں نہیں ہے پائداری | باوے رہے یچ تو یادگاری
دے خبیں ہیں اچھے بیان بالا | سنسار کے ہاتھ یک رسالا

***

جب جج کوں دیا یو گیان یو گن | تب ہار گندیا یو پھول چن چن
بیٹھا ہے جنے اپس کے تئیں ہار | یو ہار ہے اس گلے سنزاوار
پامال کیا ہے جن یو دھن مال | اس کے گلے میں سہاوے یو موہن بالی
ہجری تھے تھی کیتک برس تھے | بارا او پر ایک سو سہس تھے
تب سیس الیس کیا ہے بالا | اس جگ میں یو قدرتی رسالہ

ولی دکنی

از روضۃ الشہدا تالیف سنہ ۱۱۱۹ھ

قلم سوں مجلس سیوم کے غم کے | بکھیروں گوہراں دردوالم کے
نبی بعد از بجا نوبت ولی کا | دو جگ میں سرور مرداں علی کا
شہنشاہ ولایت، علم کا در | منور جس سوں ہے محراب و منبر
بُرج ہے آسمان لی آتی کا | صنوبر بوستان لافتیٰ کا
در خیبر اکھاڑا اور بندھیا بل | غزا میں صاحب صمصام دلدل
جدھر دلدل ڈٹا ماہے سو تیتل | نشا ہے پہلواناں کے کھندل دل
کرے جب حیدری میداں میں نعرا | ہووے تب دل دلیراں کا دوپارا

نظر اس سور کا جید ہر پڑا ہے — کفر آگے سوں شبنم ہو اوڑیا ہے

جہاں میں جس کی مردی کا آوازہ — سنے پر ہوئے دل مرداں تازہ

جہاں سوں کفر نا نی کر کے سارا — کیا دین محمد آشکارا

صفت کیا کوئی کرے تیغ دوسر کا — دسے جم اس میں منہ فتح و ظفر کا

محل سر نبی سر خدا کا — دل صافی ہے بیشک مرتضیٰ کا

دیکھے جو جس کے بخشش کا تلاطم — رہے نت خشک لب دریائے قلزم

خطاب اس کوں امیر المومنین ہے — خدا سوں والی دنیا و دین ہے

اچھے در دور خاتم بعد خاتم — خدا کے حکم سوں شاہ دو عالم

امام اول از اثنا عشر ہے — فضیلت میں سبھوں سے بیشتر ہے

کہوں کا کیا فضل میں اس کا کرامت — نکو نیں ہے جس کے خاتون جنت

جو کرتا دل یو اب فکر تولد — کروں میں شاہ کا ذکر تولد

کرامت فاطمہ بنت اسد کا — کہوں یا شاہ مرداں سے دلہ کا

حمل سوں فاطمہ مولا کے اک روز — طواف کعبہ سے تھے راحت اندوز

جو نکلے آیکایک اس طرف سوں — محمد مصطفےٰ عز و شرف سوں

دیکھے تو فاطمہ کا رنگ ہے زرد — کئے معلوم کرتا ہے شکم درد

کہے اے رکھ اپنا خاطر جمع — ابھی سر خدا ہونا ہے ظاہر

طواف کعبہ جلدی سوں توں کرجا — در دلئے ہوئے توں کعبہ بہتر جا

ہوا نزدیک واں جننے کا آثار — ہوئی فی الحال شق کعبہ کی دیوار

گئے ہیں فاطمہ کعبہ منے تو — سو اس پاکیزہ جاگے پر جننے تو

اتھا جو گنج مخفی میں مستارا — ہوا گھر بیں خدا کے آشکارا
خدا کا تھا ازل سوں مست وشیدا — ہوا تب وہ خدا کے گھر میں پیدا

عنبر

از مثنوی نیہ درپن تصنیف ۱۱۴۴ھ

الہی یا الہی یا الہی — تجھے ساجے جگت کی بادشاہی
تکبر ہور منم ہے تج سزاوار — کہ نئیں کوئی دوسرا تج ساکرتار
دکھانے جب مگے قدرت کا نوں بل — کرے بھیں بھیں پوکھن کوں بھیں کرے نا حق
رنگ آمیزی کیا غنچہ جمن کا — کہ جیسا کام ہے نازک بدن کا
لکھیا یوں موج کی ڈھنگ اچ جل پر — کہ جیوں درپن اوپر نکلے ہے جا جوہر
جھلک تج ذات سب تے میں ہے ہر یو — ہر یک ذرے میں ہے تجھ سور کا نور



ہر یک مصرع کہے جیوں پھول بکیاں — ہبرے آہاں کا ہے وہ عشق پیچیاں
بہت محنت ستے کر ہو پانی — کیا اس باغ کی میں باغبانی
بہر حال ہو ویں جو اہل معانی — وہی سمجھیں گے یو نکتہ فشانی
بنایا جو بین ابن فاطمی — تھی باس اس کی سب کے تیں خوش آتی
جواب اس کا جو یو ہے نیہ درپن — ہے سبج وہ عشق کے انکھیاں کا انجن
اسے اسنے اگر نا پائے بہتر — برابر تو نہیں جانے نہ کمتر
ہوا نیار جس دلیہ اں میں جو نین — مصنف نس لکھیا ہجرت کے یوں سن

سن ہجری کا ے آیا جب یو رکھ بار — اگیارہ سو کوں کم تھے بیس پر چار
سٹیا نج نیر درپن نے بڈھیل کار — اگیارہ سو پو تھے چالیس پر چار
محبت کی جو ہے عارس مللکھن — اسے ہے رو نمایو نیر درپن
ہوا جب کامل اس کا نظم رجال — زمانے نے کیا منج بہوت خوش حال
کیا تاریخ یو رخ منج رخن کا — یو نو تحفہ مبارک بے ہنر کا

وجدی

از مثنوی پنچھی باچہ ترجمہ منطق الطیر تالیف ۱۱۴۶ھ

اے پنچھی پیارے سخن آغاز کر — حمد سوں حق کے بلند آواز کر
شوق سوں ایسا او چھایک چہچہا — جے رہے تر لوک کا عالم لبھا
گلشن وحدت ہے تیرا آشیاں — احدیت کا راز سب تجھ پر عیاں
وحدیت کا ہے تجھے اسرار بار — تو وچ ہے وحدانیت کا راز دار
تو وچ جام عشق کا ہے مے پرست — توں لیا ہے لذت جام الست
کیا کہوں اے صاحب شیریں سلوک — جلے تیری بات سنتے پیاس بھوک
تازہ کر اب ٹک زباں توحید سوں — دور تر ہر شرک ہر تقلید سوں
پاک دل سوں یاد کر اس پاک کوں — جن دیا جیو اس مٹھی بھر خاک کوں
نیستی سوں ہست کیتا یو جہاں — سات طبقاں دہر تری نوں آسماں
خالق جہاں صانع ہر جزو و کل — جس کی پیدائش سوں ہے یو خار و گل
خار بولیں گے تو بے علت نہیں — گل کو دیکھیں گے تو بے حکمت نہیں

دوزخ و جنت نہیں بے مصلحت خوب ہے معلوم اس کو اسکی گت
کھول انکھیاں دیکھ یو سب کائنات کیا سو حیواں کیا جمادی کیا نبات
کیا زمیں کیا آسماں کیا چاند سور کیا رین کیا دیس کیا ظلمات و نور
فکر کر دیکھے تو کچھ بے کار نہیں نیں ہے اور کچھ سے جو تجھ درکار نیں
نا ہے کوئی بات اس کے حکم باج لیکن اس کو کسنے نہیں کچھ احتیاج
نا زن و فرزند اس کوں نا مثال ملک اس کا بے شریک و بے زوال
ہے منزہ سب سوں او پروردگار نا دسے قدرت کا اس کے انت پار
فکر کر وجدی کہ یہ روجہ کتاب ختم ہوئی توفیق حق سوں یو کتاب
اصل میں تھا یو کلام فارسی اہل معنی کوں مثال آرسی
خوش تریں تصنیف شیخ نامدار پیشوائے عارفان روزگار
شیخ صاحب دل فرید نامور خاص جن کا ہے لقب عطار کر
اونکاے ہیں گے جوں عطر سخن عطر پروردہ کئے ہیں یو گگن
ہر سخن یو نکتۂ اسرار ہے مغز جاں کوں طبلۂ عطار ہے
عارفاں کے پاس وہ استاد ہے طالباں کے حق منے ارشاد ہے
فکر سوں جو کوئی کیا اس میں نظر مقصد دیں سوں ہوا دیں بھر در
بخت اگر یاری کرے تو کیا عجب نار ہے مردار دنیا کی طلب
تھا ولے جو فارسی میں وہ کلام کوئی سمجھ سکتے نہ تھے اس خاص و عام
گرچہ میں بھی کچھ نہیں معنی شناس کان مجھے اس کے سمجھنے کا قیاس
لیکن اس کے دیکھ کر دل سوں یو بول یک بیک جو دل منے آیا کلول

جے موافق فہم اپنے یو ضعیف
اس کتاب خاص کا نظم شریف

قصد کر دکھنی زباں میں لیکے آؤں
تا رہے دنیا منے میرا بھی ناؤں

پس بدد منگ شیخ کی ارواح سوں
التجا کر عجز اور الحاح سوں

پس قلم جاری کیا اوراق پر
جب ہوا پورا یو نظم مختصر

نام میں اس کا پنچھی باچہ رکھا
یادگاری خلق عالم کو دیا

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزاں میں " کیا خاصا کتاب "
۱۱۴۶ھ

ولی اورنگ آبادی

غزلیات

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

ہر زباں پر ہے مثل شانہ مدام
ذکر اس زلف کی درازی کا

ہوش کے ہاتھ میں عناں نہ رہی
جب سوں دیکھا سوار تازی کا

تیں دکھا کر اپس کے مکھ کی کتاب
علم کھویا ہے دل سوں قاضی کا

آج تیری نگہ نے مسجد میں
ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا

گر نہیں راز عشق سوں آگاہ
فخر بیجا ہے فخر رازی کا

اے ولی سرو قد کوں دیکھوں گا
وقت آیا ہے سر فرازی کا

✻✻✻

توں ہے رشک ماہ کنعانی ہنوز
تجھ کوں ہے خوباں میں سلطانی ہنوز

ہر جھلک دیتی ہے تجھ رخسار کی
آرسی کوں درس حیرانی ہنوز

شرم سوں تجھ مکھ کے اے دریائے حسن
چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز

خواب میں دیکھا تھا تیری زلف کوں
دل میں ہے باقی پریشانی ہنوز

حلقہ زن ہے تجھ دہن کی یاد میں
خاتم دست سلیمانی ہنوز

تجھ کمر کوں دیکھ حیراں ہو رہا
مو قلم کے دست ہاتھ میں مانی ہنوز

روز اول سوں چمن میں حسن کے
نیں ہوا پیدا ترا ثانی ہنوز

اے ولی اس گلبدن کے عشق میں
مثل بلبل ہے غزل خوانی ہنوز

***

ہے ناز میں صنم کا زلفاں دراز کرناں
فتنے کا عاشقاں پر دروازہ باز کرناں

دل لے گیا ہے میرا پھر مانگتا ہے جی کوں
پر جا ہے نازنیں کوں عاشق پہ ناز کرناں

اے قبلہ رو دسے ہیں محراب تجھ بھواں کے
واجب ہوا انکھیاں سوں اب جا نماز کرناں

کیوں کر چھپا سکوں میں تجھ درد کی حقیقت
ہے کام آہ دل کا افشائے راز کرناں

ہے منحصر اسی میں عاشق کی سرخ روئی
خدمت گلرخاں کے جی کوں نیاز کرناں

میں عشق سوں کیا ہوں تجھ دل کوں نرم آخر
ہر ایک کا کام نیں ہے دل کوں گداز کرناں

ہے بہونچنے کا ساماں کعبے کوں مدعا کے
دریائے عاشقی میں دل کوں جہاز کرناں

شاید غزل ولی کی لیجا کے سنا دے
اس واسطے بجا ہے مطرب سوں ساز کرناں

***

کیا تجھ عشق نے ظالم خراب آہستہ آہستہ
کہ آتش گل کوں کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سوں
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

میرے دل کوں کیا بیخود تری انکھیاں نے اے ظالم
کہ جیوں بیہوش کرتی ہے شراب آہستہ آہستہ

ادا او ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں — کہ جیوں مشرق سوں نکلے آفتاب آہستہ آہستہ
ولی مجھ دل میں آتا ہے خیال یار بے پروا — کہ جیوں انکھیاں منے آتا ہے خواب آہستہ آہستہ

⁂

نشہ بخش عاشقاں وہ ساقی گلفام ہے — کہ جس کی انکھیاں کا تصور بیخودی کا جام ہے
کھولنا زلفاں کا کچھ درکار نئیں اے خوش ادا — یک نگاہ ناز تیری دو جہاں کا دام ہے
آفتاب آتا ہے محرم ہو کے تجھ کوچے طرف — صبح صادق اس کے بر میں جامہ احرام ہے

⁂

دل کوں تجھ باج بے قراری ہے — چشم کا کام اشک باری ہے
شب فرقت میں مونس و ہمدم — بے قراری و آہ و زاری ہے
اے عزیزاں مجھے نہیں برداشت — سنگ دل کا فراق بھاری ہے
فیض سوں تجھ فراق کے ساجن — چشم گریاں کا کام جاری ہے
فوقیت لے گیا ہوں بلبل سوں — گرچہ منصب میں وہ ہزاری ہے
عشق بازی کے حق منے قاتل — ہر نگہ خنجر و کٹاری ہے
آتش ہجر لالہ رو سوں ولی — داغ سینہ میں یادگاری ہے

⁂

نکو کر آشنائی غیر سوں اے سیم تن ہرگز
نہوا اے شمع رو ہر انجمن میں شعلہ زن ہرگز
نہ مل مائل ہو ہر طوطی سوں اے شکر شکن ہرگز
نہ مل ہر بلبل مشتاق سوں اے گلبدن ہرگز

ہر ایک گلشن میں جیوں نرگس نہ کھول اپنے نین ہرگز
فصیحاں خلق کے ساے تجھے شیریں بچن کہتے

پیشانی روز روشن اور زلف کالی رین کہتے
میسر ہر جواہر کے تجھے در عدن کہتے

جہاں کے گلرخاں سارے تجھے نازک بدن کہتے
تو ہر پلکاں کے کانٹاں پہ نہ رکھ اپنے چرن ہرگز

سدا مشتاق ہے طوبیٰ تیرے قد صنوبر کا
تجلی میں ترا یو مکھ اہے خورشید محشر کا

دہن تیرا سو غیرہ انجام ہے یو جام کوثر کا
تو بے شک روح ہے جگ میں خلاصہ چار عنصر کا

بجز تجھ روح کے قائم نہ ہو جگ کا بدن ہرگز
تو ہے محبوب عالم کا ولی عالم سوں ہو نکیو

تو محبوباں میں عنقا ہے نکو دکھلا کسی کو رو
جو آتش داں کیا دل کوں لجاواں زلف عنبر بو

بغیر از عید مت دکھلا کسی کوں یہ ہلال ابرو
نہ مہتاب میں بھی کس سوا ے چندر بدن ہرگز

ٹٹٹ

سراج

کہاں ہے گلبدن موہن پیارا
کہ جیوں بلبل ہے نالاں دل ہمارا

بساط عشق بازی میں مرا دل
متاع صبر و نقد و ہوش ہارا

تغافل ترک کر اے شوخ بیباک
تلطف کر نواز مجھ کو مدارا

سراج اس شمع رو نے ان دنوں میں
لیا ہے سب پتنگو کا اجارا

٭

گدائے کوچہ میخانہ میرے پریشاں ہو
بہار گل میں ہر بلبل بشیرے پریشاں ہو

شب تاریک میں حاصل ہو آنکھو سیر مہتابی
کہ دور جام مل بدر منیر سے پریشاں ہو

٭

لب سیں دام زلف عالمگیر ہے
نقش پا ہر صید کوں زنجیر ہے

زلف مشکیں کوں مطول مت کہو
مصحف رخسار کی تفسیر ہے

کھینچ کر تیغ جفا مت قتل کر
عاشق دل خستہ بے تقصیر ہے

جل گیا آخر دل بے کل سراج
تب تو تھا سیماب اب اکسیر ہے

٭

آرزوئے دل سیں جو بسمل ہیں اس جلاد کے
صبح محشر لگ نہیں ہیں لب کشا فریاد کے

تیشۂ شیریں میں غم کھا کر سلامت ہیں مدام
جاں خراشاں معتقد ہیں مشرب فرہاد کے

دیدۂ اہل نظر گلرو کی صورت دیکھ کر
بلبل تصویر سیں ہیں آئینے ایجاد کے

دیکھ کر اس گلبدن کے قامت موزوں کی چھپ
صحن گلشن میں اڑے ہیں فاختے شمشاد کے

٭

جاتا ہے مرا جان نپٹ پیاس لگی ہے
منگتا ہوں ذرا شربت دیدار کسی کا

سب پر ہے کرم مجھ پہ ستم کیا ہے دورنگی
دلدار کسی کا ہے، دل آزار کسی کا

زنجیر بھلی، قید بھلی، موت بھی جیوں نہوں
پن حق نہ کرے کس کو گرفتار کسی کا

بیں ہوں تو دوانہ پہ کسی زلف کا نیں ہوں
واللہ کہ رکھتا نہیں یک تار کسی کا

٭

معراج العاشقین

تصنیف خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ

محمد ہور اللہ کے درمیان پردہ باندے، اسے نقاب کبریا بولتے ہیں، عرفان کرسی پر محمد کوں سلائے، اللہ محمد باتاں کرنے عشق کوں بلائے۔ عشق مشاطہ ہوکر عاشقاں کے باتاں معشوق کوں معشوق کے باتاں عاشق کوں سنائے۔ اللہ سے آواز آیا۔ اے محمد یک لک چوبیس ہزار پیغمبراں میرے طلب نئیں کیا۔ تیرا فراق مجھے بہوت ہوا نئیں تجھے اس راہ ہوکر لیا۔ اپنے معراج کیاں نشانیاں میں تجھے دیتا ہوں، اتیاں میریاں باتاں سن کر تیری امت کوں میرے بندیاں کوں خبر دیتا ہوں۔

یو سب باتاں نبی علیہ السلام کوں بول کر خاصے کے طبق میں چار کانسے رنگ کو دئے۔ دودھ۔ پانی۔ شہد۔ شراب خاصے کا سرپوش اٹاکر محمد رسول اللہ کے نزدیک بھیجے، اور کہے اے محمد پیو۔ ہور تمہاری امت کوں بھی پیلاؤ۔ حضرت دودھ پئے۔ ہور عرض کئے۔ اے میرے خدا میں دودھ کوں قبول کیا، کانسے تیں کسے دیئوں۔ جبرئیل علیہ السلام خوش حالی کی خبر لیا اے دودھ محبت کا کانسا۔ پانی قطرے کا کانسا۔ شہوت کا کاف

شراب عشق کا کانسا ہے۔

سب رس

مصنفہ ملا وجہی تصنیف سنہ ۱۰۴۴ھ

ایک شہر تھا اس شہر کا ناوں سیستان تھا۔ اس
سیستان کے بادشاہ کا ناوں عقل۔ دین و دنیا کا تمام کام
اسے چلتا۔ اس کے حکم باج ذرا کیں نیں ہلتا۔ اس کے فرمودے
پر جو چلے۔ ہر دو جہاں میں ہوئے بھلے۔ دنیا میں خوب کھوائے
چار لوگاں میں عزت پائے۔ جان رہے کھرے۔ واں قبول پڑے
نہ آفت دیکھے نہ زلزلہ۔ آپے بھلے تو عالم بھلا۔ کسی کوں برا بولنا
یو وسواس ہے۔ بھلائی برائی سب اپنے پاس ہے۔ آپی چل نیں
جانتے۔ دوسریاں پر برا مانتے۔ اول اپنی خبر میں اپی رہنا۔ پیچھے
دوسرے کوں برا کہنا۔ جنے اپکوں پچھانیا ان نے سب جانیا۔ جدھر
ڈھلتا ہے۔ ادھر عقل کے اوجالے میں چلتا ہے۔ آدمی نے
عقل چھوڑیا۔ دیوانہ ہویا۔ اپنا سر آپی پھوڑیا۔ عقل میں جو کا کلوت
ملتی تو حرمت میں نقصان ہوتا۔ مدعا دور پڑتا۔ ولے اگر منگتا ہے جو
دل کوں تازہ رکھے مدعا پاوے، تو بھلا ہے۔ جو عقل میں کا کلوت
نا ملاوے سکت ہے تو عقل میں ہمت کوں کر شریک۔ یو پند
ہے